۲۰ منتخب احادیث مع ترجمہ وتشریح

حدیث نمبر ۱

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ رزق حلال تلاش کرنا فرض کے بعد دوسرا فریضہ ہے۔

تشریح:

حلال اور جائز ذرائع سے اپنی روزی خود کمانا، کسی دوسرے پر بوجھ بن کر زندگی نہ گزارنا، اسی طرح فرض ہے، جس طرح دیگر فرائض مثلاً نماز، اور، حج، زکوۃ وغیرہ ہیں۔ اس حدیث کا مقصود گداگری اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکنا ہے اور اس بات کی تعلیم دینا ہے کہ آدمی کو اپنی روزی خود اپنی محنت اور جدّ وجہد سے کمانی چاہیے، کسی شخص پر بوجھ بن کر زندگی نہیں گزانی چاہیے۔ پھر حصول معاش میں جو محنت اور کوشش ہو وہ حلال اور جائز طریقے سے ہو۔ معاش کو انسانی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے یہ قیامِ زندگی کا ذریعہ ہے اور اس کے اثرات صرف کمانے والے فرد تک محدود نہیں رہتے بلکہ آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حصول معاش کے تمام ناجائز اور حرام طریقوں سے منع کیا گیا ہے۔ سود، رشوت، ملاوٹ، دھوکہ، جُوا، لاٹری، وغیرہ حرام ذرائع معاشی کی مختلف شکلیں ہیں،

Scanned with CamScanner

الجسد [illegible] وإذا فسدت [illegible]

كُلُّه اَلَا وَهِيَ اَلْقَلْبُ۔

ترجمہ:۔ حضرت عامر سے روایت ہے کہ نعمان بن بشیرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہونے سنا کہ (لوگو) آگاہ ہو جاؤ انسانی جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے آگاہ رہو کہ وہ ٹکڑا انسانی دل ہے۔

تشریح:

دل کی اہمیت:

دل کو انسانی جسم میں طبی طور پر جو مرکزی مقام حاصل ہے کہ زندگی کا دارومدار اس کی جاری دھڑکنوں پر ہے جب یہ دھڑکن خاموش ہو جاتی ہے تو انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان کو باوجود

Scanned with CamScanner

کو نہیں مٹاتا ہے"۔

حدیث نمبر ۲

عَنْ عَامِرٍ قَالَ نُعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّه وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّه اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ:۔ حضرت عامر سے روایت ہے کہ نعمان بن بشیرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ (لوگو) آگاہ ہو جاؤ انسانی جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے آگاہ رہو کہ وہ ٹکڑا انسانی دل ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث نمبر ۔۴

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوماً فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ! اَنْصُرُ مَظْلُوماً فَکَیْفَ اَنْصُرُ ظَالِماً فَقَالَ تَمْنَعُہٗ عَنِ الظُّلْمِ فَذَالِکَ نَصْرُکَ اِیَّاہُ۔ (بخاری کتاب التوحید)

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! میں مظلوم کی مدد کروں گا لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپؐ نے فرمایا: تم اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

تشریح:

چونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے، اس لیے اسکی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی ہر اُس معاملہ میں مدد کرے جو اسے دنیا اور آخرت میں ناکام اور رُسوا کرنے والا ہو۔ چنانچہ ایک مسلمان کو ظلم و زیادتی سے روک دینا بھی اس سے ہمدردی اور اس کی مدد کرنے کی ایک صورت ہے، کیونکہ ظلم کر کے وہ غضبِ الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے، جس کا نتیجہ آگ جہنم ہے۔

اس حدیث میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح مظلوم مسلمان کو ظلم سے چھڑانا اس کی مدد ہے اسی طرح ظلم کرنے والے مسلمان کو ظلم سے روک دینا بھی اس کی مدد کرنا ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ خدا کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچ جاتا ہے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ظلم و زیادتی کرنے سے روکنا اور دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ مسلمانوں حکمرانوں کا ظلم، [illegible] اور جاگیرداروں کا ظلم، تاجروں اور صنعت کاروں کا ظلم

Scanned with CamScanner

حدیث نمبر ۵

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰو وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مہلک اعمال سے بچو، لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ۱۔اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔جادو ٹونہ کرنا۔ ۳۔بغیر حق کے کسی ایسے انسان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو۔ ۴۔سود کھانا۔ ۵۔یتیم کا مال کھانا۔ ۶۔میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔ ۷۔ایماندار، شریف اور بے گناہ عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل سات چیزوں کو ہلاکت وتباہی کا باعث قرار دیا ہے اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے:

شرک باللہ:

پہلی چیز جسے ہلاکت کا باعث قرار دے کر بچنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ شرک باللہ ہے۔ شرک کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی ذات یا صفات یا اس کے حقوق یا اس کے اختیارات میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنا۔ شرک کرنے والا شخص مُشْرِک کہلاتا ہے۔ مشرک بظاہر اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار نہیں کرتا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کر کے تمام اختیارات ان کے سپرد کر دیتا ہے۔ بتوں کی، خیالی ہستیوں کی، غلط نظریات اور تصورات کی وہ ایسی اطاعت کرتا ہے جیسی خداوند تعالیٰ کی کرنی چاہیے۔ یہ شریکِ خدا اس کے بزرگوں کے یا اس کے اپنے گھ[illegible] کفر کی طرح درحقیقت وہ بھی ہدایت الٰہی کا انکار کرتا ہے۔ دراصل بات یہ

B612

Scanned with CamScanner

حدیث نمبر ۷

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ۔ (مسلم و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی مہلتِ عمل ختم ہوجاتی ہے لیکن تین چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ دوسرے وہ علم جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہو اور تیسرے صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

تشریح:

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ رہے ہیں، ایک دن یہاں سے آخرت کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔ اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جو بھی اس دنیا سے گیا ہے وہ خالی ہاتھ ہی گیا ہے۔ سب کچھ یہیں دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے بلیغ انداز میں واضح کیا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ (التکاثر: ۱، ۲)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ اسی فکر میں تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے، اس کا دفترِ اعمال لپیٹ دیا جاتا ہے اور اب وہ رزلٹ دیکھنے اور سننے کا منتظر ہوتا ہے۔ صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو مرنے کے بعد بھی انسان سے منقطع نہیں ہوتیں بلکہ ان کا اجر و ثواب برابر اس کو ملتا رہتا ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

(۱) صدقۂ جاریہ:

یعنی ایسا صدقہ جو اس کی موت کے بعد بھی جاری رہا۔ مثلاً نہر یا کنواں، ٹیوب ویل، نلکا

Scanned with CamScanner

صبر کا نتیجہ:

مَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ اسے صبر دے گا۔ اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔

حدیث نمبر ۱۱

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَا عَمِلَهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَ وَفِيْمَا أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ (ترمذی ابواب القیامۃ)

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے روز) انسان کے قدم اپنی جگہ سے نہ ہل سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لیا جائے (۱) یہ کہ اس نے اپنی زندگی کہاں صرف کی۔ (۲) یہ کہ اس نے اپنے علم کی حد تک کیا اعمال کیے۔ (۳) یہ کہ مال کہاں سے کمایا۔ (۴) یہ کہ جو کمایا اسے کہاں خرچ کیا۔ (۵) اور یہ کہ اپنا جسم اس نے کن کاموں میں گھلایا۔

Scanned with CamScanner

اپنی ذمہ داری کا احساس کیجئے۔

حدیث نمبر ۱۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْاِمَامُ الَّذِىْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ لِرَاعِيَّتِهٖ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِىَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ (متفق عليه)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر ایک شخص نگران (ذمہ دار) ہے اور ہر شخص سے اسکی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔ لوگوں کا امام (حکمران) ان کا ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اس سے بھی باز پرس ہوگی عورت پر اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ داری آتی ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ اور قرآن دونوں انسان کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے رب میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور خواہشات (نفس) سے روک رکھا تو وہ رکا رہا۔ لہٰذا اس کے متعلق میری شفاعت قبول کر قرآن کہے گا اے رب میں نے رات کو اسے سونے سے روکا لہٰذا اس کے متعلق میری شفاعت قبول فرما۔ چنانچہ دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

تشریح:

روزے کا اصل مقصد

روزے کا اصل مقصد بندہ مؤمن کے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے نہ کہ فاقہ کشی ہے۔ اور اس کی حقیقی روح اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی محبت، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ، اس کے حضور جوابدہی کا احساس، اس کا خوف اور اس کے احکام وقوانین کی ہمہ وقت پیروی اور ان کی بجا آوری کا خیال ہے۔

قرآن کی روح:

قرآن کی تلاوت کرنے اور سمجھنے کا اصل مقصد اور حقیقی روح یہ ہے

[illegible] دوسرا آدمی پیغام نکاح بھیجے، تب کوئی حرج نہیں۔

دراصل اسلام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار اور مثالی رکھنا چاہتا ہے چونکہ ایسی صورتوں میں تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں، اس لیے آنجناب ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۷

عن علیؓ ابن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء

قیل ما ھی یا رسول اللہ فقال،

(۱) اذا کان المغنم دولا،

(۲) والامانۃ مغنما،

(۳) والزکوۃ مغرما،

(۴) واطاع الرجل زوجہ،

Scanned with CamScanner

(۵) وَعَقَّ اُمَّهٗ،

(۶) وَبَرَّ صَدِيقَهٗ وَجَفَا اَبَاهٗ،

(۷) وارتفعَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ،

(۸) وكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ،

(۹) وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ،

(۱۰) وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ،

(۱۱) وَلُبِسَ الْحَرِيرُ،

(۱۲) وَاتَّخِذَتِ الْقِيَانُ،

(۱۳) وَالْمَعَازِفُ

(۱۴) وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا

(۱۵) فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذالک رِيحًا حَمْرَاءَ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا۔

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی تو اس پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہؐ وہ پندرہ چیزیں کون سی ہیں تو فرمایا:

(۱)۔ جب مالِ غنیمت کو چٹی سمجھا جائے گا،

(۲)۔ اور امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے گا،

(۳)۔ زکوٰۃ کو جرمانہ تصور کیا جائے گا،

(۴)۔ جب آدمی اپنی بیوی کا فرمانبردار ہوگا،

(۵)۔ اور اپنی ماں کا نافرمان ہوگا،

(۶)۔ اور اپنے باپ پر زیادتی کرے گا،

(۷)۔ جب مسجدوں میں لوگ اُونچی آوازوں سے باتیں کریں گے،

(۸)۔ جب ذلیل ترین آدمی حکمران بن جائیں گے،

Scanned with CamScanner

(۹)۔ جب کسی کی عزت اسکے شر سے بچنے کی وجہ سے کی جائے گی،

(۱۰)۔ جب شراب سرِ عام پی جائی گی،

(۱۱)۔ جب مرد ریشم پہنیں گے،

(۱۲)۔ جب گانے والیوں کو رکھا جانے لگے گا،

(۱۳)۔ اور آلاتِ موسیقی کو استعمال کیا جائے گا،

(۱۴)۔ جب اس امت کا بعد میں آنے والا طبقہ اپنے اسلاف کو برا بھلا کہے گا،

(۱۵)۔ (جب یہ کام ہونے لگیں) تو پھر تم اس وقت انتظار کرو سُرخ آندھی کا یا زمین میں دھنس جانے کا یا شکلوں کے مسخ ہونے کا۔

تشریح:

یہ حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔اس حدیث سے ایک مسلمان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، قرب قیامت کی جن پندرہ چیزوں کی رحمت عالمؐ نے نشاندہی فرمائی ہے ان میں سے کون سی ہے جو اس دور میں ظہور پذیر نہ ہو چکی ہو۔امت کو عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے اجتماعی طور پر مذکورہ بالا مہلک کاموں کا تدارک کرنا چاہئے یہ زلزلے، یہ خوفناک فضائی وزمینی حادثے، یہ سیلاب اور خوفناک طوفان عذاب الٰہی کی مختلف شکلیں ہی تو ہیں، انسانیت کی فلاح نبیؐ رحمت کے لائے ہوئے نظام رحمت دین اسلام کو مکمل طور پر اپنانے میں ہے۔

مال غنیمت:

۱۔ مال کو کہتے ہیں جو دورانِ جنگ کفار سے مسلمان فوج کے ہاتھ لگتا ہے۔ یہ مال اجتماعی

حدیث نمبر ۱۸

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِي عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، اور جن کے حق میں تم دعا کرو اور وہ تمہارے حق میں دعا کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں"

تشریح:

دراصل مسلمان حکمران اپنی رعایا کا خیر خواہ اور خدمت گزار ہوتا ہے۔ اسلام کا تصور حکمرانی یہ ہے کہ: سیدُ القومِ خادمھم "قوم کا سردار اور حکمران رعایا کا خادم ہوتا ہے" حکمران اور رعایا ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے حکمران اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ اور آئیڈیل ہیں۔ لیکن جس سوسائٹی کے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان فاصلے ہوں، ایک دوسرے کے بارے میں بغض و کینہ کے جذبات ہوں اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے ہوں سمجھ لیجئے کہ وہ بدترین حکمران ہیں اور ان سے جان چھڑانا لازم ہے۔

موجودہ حکمران:

دورِ حاضر کے تقریباً تمام حکمران "شرار" بدترین حکمرانوں کے زُمرے میں آتے ہیں جن کو عوام کی خیر خواہی اور بھلائی کے بجائے اپنی تجوریاں اور بنک بھرنے کی فکر رہتی ہے۔ عوام اور ان کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اسلام کے نظامِ حکومت کو قائم کرنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا ہے تاکہ شرار سے نجات پا کر خیار کی قیادت میں زندگی گزاریں۔

Scanned with CamScanner

حدیث نمبر ۱۹

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَۃَ اِلَا تَسْأَلِ الْاِمَارَۃَ فَاِنَّکَ اِنْ اُعْطِیْتَھَا عَنْ غَیْرِ مَسْئَلَۃٍ اُعِنْتَ عَلَیْھَا وَاِنْ اُعْطِیْتَھَا عَنْ مَسْئَلَۃٍ وُکِّلْتَ اِلَیْھَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَھَا خَیْرًا مِنْھَا فَأْتِ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ وَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ (بخاری کتاب الاحکام۔ مسلم کتاب الامارۃ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم کبھی بھی عہدہ طلب نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تجھے کوئی عہدہ بن مانگے ملے گا تو اس پر تیری مدد کی جائے گی (اللہ کی طرف سے) اور اگر تیرے طلب کرنے سے عہدہ ملا تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اللہ کی طرف سے تیری مدد نہیں ہوگی) اور اگر تو نے کسی بات پر قسم کھالی پھر تجھے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات اس سے زیادہ بہتر معلوم ہوئی، تو قسم توڑ کر اسی بہتر چیز کو اختیار کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر لے۔

تشریح:

اس حدیث میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ نمبر ۱: اقتدار کی طلب وحرص کا ممنوع ہونا۔

نمبر ۲: کسی نیک کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو تو اسے توڑ کر کفارہ ادا کرنا۔

اقتدار کی طلب وحرص کا ممنوع ہونا:

اسلامی ریاست کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ حکومت کے ذمہ دارانہ مناسب کے لیے عمومًا اور خلافت کے لیے خصوصًا وہ لوگ سب سے زیادہ نااہل اور غیر موزوں ہیں، جو خود عہدہ حاصل کرنے کے طالب اور خواہش مند ہوں اور اس کے لیے کوشش کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Scanned with CamScanner

حدیث نمبر ۲۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ۔ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَاخَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَاتَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَایُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، سات قسم کے افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (وہ سات قسم کے افراد یہ ہیں)

۱)۔ عادل حکمران

۲)۔ وہ نوجوان جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں گزری

۳)۔ وہ شخص جس کا دل مسجد سے اٹکا رہتا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے تو پھر دوبارہ مسجد میں داخل ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے،

۴)۔ وہ دو آدمی جن کی دوستی کی بنیاد اللہ اور اللہ کا دین ہے، اسی جذبہ کے ساتھ وہ اکٹھے ہوتے ہے اور یہی جذبہ لیے جدا ہوتے ہیں۔

۵)۔ وہ آدمی جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

۶)۔ وہ آدمی جس کو کسی اونچے خاندان کی حسین وخوبصورت عورت نے بدکاری کی دعوت دی تو اس نے محض خدا کے خوف کی بنا پر اس کی دعوت کو رد کر دیا۔

۷)۔ وہ آدمی جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔

B612

Scanned with CamScanner

اسلام کا نظریۂ تعلیم وتربیت:

تعلیم کی لغوی تعریف:

لغت کے اعتبار سے تعلیم کا مادّہ علم (ع ل م) ہے۔اس کے معنی ہیں کسی چیز کا ادراک کرنا، کسی چیز کو کما حقہ جاننا پہنچاننا، یقین حاصل کرنا، محکم طور پر معلوم کر لینا، محسوس کرنا، اس سے باب تفعیل میں ''تعلیم'' آتا ہے۔ تعلیم کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ دینے کے ہیں۔ یہاں تک کہ متعلّم (Student) کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔

انگریزی زبان کا لفظ (Education) لاطینی لفظ EDEX بمعنی نکالنا اور Educere یعنی رہنمائی کرنا، سے ماخوذ ہے۔ لفظی طور پر اس کے معنی ''معلومات جمع کر دینا'' اور ''مخفی صلاحیتوں کو نکھارنا'' ہیں۔ بہر حال اصلاً یہ لفظ معلومات فراہم کرنے اور متعلّم (طالب علم) کی مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مفہوم میں آتا ہے۔

جان اسٹورٹ مل

مغرب کے ان مشاہیر میں سے ہے جنھوں نے تعلیم کے مفہوم کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے وہ کہتا ہے:

''تعلیم صرف ان باتوں ہی کا احاطہ نہیں کرتی جو ہم اپنی فطرت کے کمال سے قریب تر ہونے کی بناء پر، وضع مقصد کی خاطر اپنے لیے کرتے ہیں یا دوسرے ہمارے لیے کرتے ہیں۔ اپنے وسیع تر مفہوم میں اس کی حدود بہت زیادہ ہیں۔ انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والے اُن چیزوں کے بالواسطہ اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں، جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہوتے ہیں''۔

جان ملٹن:

تعلیم کی تعریف یوں کرتا ہے،

''میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ وامن اپنی اجتماعی ونجی زندگی کے فرائض دیانت ومہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے'' تعلیم کا یہ وسیع تر تصور ہے۔

Scanned with CamScanner

جان ڈیوی

امریکی فلاسفر جان ڈیوی کے نزدیک ''تعلیم افراد اور فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویّوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے''

ڈاکٹر پارک

کا خیال ہے کہ "تعلیم رہنمائی یا مطالعہ علم حاصل کرنے اور عادات اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے"(۱)

افلاطون

تعلیم کا عمل فرد کی شخصیت کو متوازن بناتا اور اس کی صلاحیتوں کو معلوم کر کے ان کی طرح نشوونما کرتا ہے کہ وہ معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

ارسطو

ارسطو نے تعلیم کو سیاست کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم کا کام فرد میں نیکی اور عمدہ اخلاق پیدا کرنا اسے عظیم انسان بنانا اور معاشرے میں اتحار پیدا کرنا ہے۔

اِمام غزالی

افراد کو اس قابل بنانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکیں اور دینی مقاصد کے تحت زندگی گزار سکیں۔

ابن خلدون

افراد میں معاشرتی اہلیت (social efficiency) پیدا کرنا تا کہ وہ نہ صرف اپنے لیے مفید زندگی کا سامان کر سکیں بلکہ معاشرے کی فلاح اور ترقی کے بھی ضامن ہوں۔

سر سید احمد خان

انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، انہیں ترقی دینا اور اسے کسی ہنر کے حصول کے قابل بنانا۔ نیز اسے دین کے تحت رکھتے ہوئے جدید و قدیم علوم سکھانا تا کہ وہ اچھے مسلمان بنیں اور معاشرے میں باعزت مقام حاصل کریں۔

---

(۱) اسلام کا نظریۂ تعلیم از پروفیسر خورشید احمد ص ۷

علامہ اقبالؒ

دین کے تابع رکھتے ہوئے فرد کی صلاحیتوں کی نشوونما، دوسرے معنوں میں عرفانِ خودی اور تکمیل خودی کا نام تعلیم ہے۔

قائداعظمؒ

آئندہ نسلوں کے کردار کو پختہ کرنا، تعلیم ہے۔[1]

اصطلاحی تعریف: پس تعلیم وہ مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے نئی نسلوں کی اخلاقی ذہنی اور جسمانی نشوونما بھی ہوتی ہے، اور وہ اپنے عقائد و تصورات اور تہذیب و ثقافت کی اقدار بھی اس سے اخذ کرتے ہیں۔ ماہرینِ تعلیم اس لفظ سے دو مفہوم لیتے ہیں:

وسیع تر مفہوم میں ان طبیعی و حیاتیاتی، اخلاقی و سماجی اثرات کا احاطہ کرتا ہے۔ جو فرد اور قوم کے طرزِ زندگی کی تشکیل کرتے ہیں اور محدود مفہوم میں یہ صرف ان اثرات پر حاوی ہے جو اساتذہ کے ذریعے اسکولوں، کالجوں اور دوسری درسگاہوں میں مرتب ہوتے ہیں۔

بہرکیف تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے اور شاگرد (student) کی زندگی (life) کے تمام پہلوؤں پر اس کا گہرا اثر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہے۔ ایک چینی کہاوت اس بات کی کتنی صحیح عکاسی کرتی ہے کہ:

''تمہارا منصوبہ اگر سال بھر کے لیے ہے تو فصل کاشت کرو، دس سال کے لیے ہے تو درخت اُگاؤ، دائمی ہے تو افراد پیدا کرو'' اور افراد کی تعمیر صرف تعلیم ہی سے ممکن ہے۔[2]

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

انسان کو بحیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے اس کو سمع، بصر اور فؤاد تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو دوسری مخلوقاتِ ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اس کی نسبت کمتر دی گئی ہیں۔ اس لیے وہ اس بات کا اہل ہوا کہ دوسری مخلوقات پر خداوندِ عالم کا خلیفہ بنایا جائے اب خود اس نوع میں سے جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا، وہ اسی طرح ان کا امام بنے گا جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواعِ ارضی پر اسی علم کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔

Scanned with CamScanner

اس سے خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم سے کیا مراد ہے؟ اور اس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا کیا مفہوم ہے؟ اس مسئلہ کا حل سمع (قوت سماعت) بصر (دیکھنے کی قوت) اور فؤاد (سوچنے کی قوت) ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ تینوں الفاظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوئے۔ بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنا ہے بصر سے مراد خود مشاہدہ کر کے واقفیت بہم پہنچانا ہے اور فؤاد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کر کے نتیجہ اخذ کرنا ہے یہی تین چیزیں مل کر علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے، بہ سبیل اطلاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوقات ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے۔[1]

اسلام کا فلسفہ تعلیم (قرآن وحدیث کی روشنی میں)

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے۔ یہ معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس سے اثر پزیر بھی، تعلیم معاشرے کے کلچر یا ثقافت کی حفاظت بھی کرتی ہے اور اسے پروان چڑھانے کا کام بھی اسی کے ذمہ ہے۔ لیکن ہر معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی روایات الگ ہوتی ہیں۔ لہذا ہر معاشرے کے نظامِ تعلیم کا دوسروں سے الگ ہونا ایک قدرتی امر ہے جس طرح عیسائی، یہودی، ہندو اور مسلم معاشرے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، اسی طرح ان معاشروں کے نظامہائے تعلیم بھی علیحدہ علیحدہ بنیادوں پر اُستوار ہیں۔ ہر معاشرے کا اپنا اپنا تصوّرِ تعلیم ہے، جس کی بنیاد ہر وہ ضابطہ حیات یا آئیڈیالوجی ہوتی ہے جس کا وہ معاشرہ علمبردار ہے۔ جب ہم اسلامی نظریۂ تعلیم یا تعلیم کے اسلامی تصور کی بات کرتے ہیں۔ تو ہمارے ذہنوں میں ''اسلامی ضابطہ حیات'' یا ''اسلامک آئیڈیالوجی کا خاکہ ابھر آتا ہے، اور یہی نظریہ حیات اسلامی نظریۂ تعلیم کے تار و پود کا کام دیتا ہے۔

اسلامی ضابطہ حیات

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات (Perfect Systam of Life) ہے جو خدا اور اس کے نبی ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر و تکمیل کرتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی،

Scanned with CamScanner

معاشرتی ہو یا تمدنی، مادّی ہو یا روحانی معاشی ہو یا سیاسی اور ملکی ہو یا بین الاقوامی، اسلام کا اصل مقصد روئے زمین پر خدا کے قانون کا اجراء، انفرادی اور اجتماعی زندگی کو رضائے الٰہی کے مطابق گزارنا ہے۔ مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کے دو اہم گوشے ہیں۔ ایک طرف اسلام زندگی کی بنیادی حقیقتوں پر روشنی ڈالتا ہے اور اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں انسان کا اصل مقام کیا ہے؟ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور اس کی بنیاد میں کون سا قانون کام کر رہا ہے؟ اسلام کے بنیادی عقائد کے ذریعہ انسان کو زندگی کی حقیقتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کائنات اور زندگی کو درست زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری طرف اسلام زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط وتفریط سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اعتدال وتوازن کے ساتھ گزار سکے۔ عقائد اور ضابطۂ عمل کے اس مجموعے کا ''اسلامی نظریہ حیات'' ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات سے مراد وہ نظامِ فکر وعمل اور وہ تہذیبی وتمدّنی لائحہ عمل ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے جس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خاص نظام فکر کی روشنی میں زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق رہنمائی کرتا ہے ہر نظام تعلیم ایک خاص تمدّن یا کلچر کی پیداوار ہوتا ہے لہذا اس کے بنیادی تصوّرات بھی اس تمدّن سے ماخوذ ہوں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازلہ

تعلیم کسی قوم کے سماجی نظریات اور ثقافت سے گہرے طور پر مربوط ہوتی ہے۔ بنابریں کسی قوم کا نظام تعلیم اپنے مزاج، مواد اور موضوعات کے اعتبار سے نہ تو نظریاتی رنگ سے خالی ہوسکتا ہے اور نہ اس میں اتنی معروضیت (OBJECTIVITY) ممکن ہے کہ اسے اقدار کی گرفت سے آزاد قرار دیا جاسکے۔

لیکن عہد جدید میں لبرلزم (LIBERLISM) اور انفرادیت پسندی (INDIVIDUA-LISM) کے علم برادروں نے تعلیمی دنیا میں اس غلط فہمی کو بڑے زور وشور سے رائج کرنے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم تہذیبی اقدار اور معیارات خیر وشر کے سلسلے میں بالکل اسی طرح غیر جانب دار ہوسکتی ہے جس طرح طبیعی علوم۔ اس غلط تصور کی بنا پر تعلیم کو مذہب اور اخلاقی اقدار سے الگ کردیا گیا اور یہ کہا جانے

لگا کہ طالب علم کو اپنی صلاحیت کے مطابق نشو ونما پانے کے لیے پوری آزادی ملنی چاہیے اور اس کی فکر یا کردار کو کسی مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوئی بیرونی دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ طریقہ تعلیم ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نہایت مقبول ہوا اور اس نے دوسرے یورپی ممالک میں بھی شہرت حاصل کی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بے عقیدہ تعلیم کے نتائج کسی طرح بھی حوصلہ افزا نہیں ہیں۔

بے عقیدہ تعلیم کے نتائج

اگر ہم آزاد اور بے عقیدہ تعلیم کے نتائج کا جائزہ لیں تو مندرجہ ذیل چیزیں سامنے آتی ہیں۔

الف۔ "بے عقیدہ" تعلیم طلبہ میں اجتماعی تصورات پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اور جب کوئی ان اجتماعی تصورات کے شعور سے بے بہرہ ہو جائے جو اسے عمل اور قربانی پر اُبھارتے ہیں تو تاریخ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ ایسی اقوام جو کسی اجتماعی نظریے کے زندہ شعور سے عاری ہو جائیں اور جنھوں نے کسی اعلیٰ اور برتر نصب العین کے لیے جینا اور مرنا نہ سیکھا ہو وہ تاریخ عالم میں کوئی بڑا کارنامہ تو کیا انجام دیں گی، اپنے وجود تک کو برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ جب کسی قوم نے اپنی منزل کا شعور کھو دیا تو وہ نقش پا کی طرح مٹا دی گئی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

مرگ فرد از خشکی زور حیات
مرگ قوم از ترک مقصودِ حیات

ب۔ بے عقیدہ تعلیم نئی نسل کے قلب و روح میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے میں ناکام رہتی ہے اس کا تعلق صرف دماغ کے مطالبات سے ہوتا ہے۔ رُوح کے مطالبات سے یہ بیگانہ وار ہی گزر جاتی ہے۔ دونوں کی نشو ونما دو متضاد سمتوں میں ہوتی ہے جس کا نتیجہ ایک زبردست قومی نقصان کی صورت میں نکلتا ہے حقیقت یہ ہے کہ علم اس وقت حقیقی دوست اور رہنما کا کام کر سکتا ہے جب اس کا محور دل ہو ورنہ صرف تن پرستی کے چکر میں یہ انسان کے لیے سانپ جیسا خطرناک بھی ہو سکتا ہے

Scanned with CamScanner

ج۔ تعلیم کے بارے میں اسی رُجحان کا نتیجہ لامرکزیت اور علم کی شعبہ جاتی جزو پرستی کی صورت میں نکلا ہے بے عقیدہ تعلیم علم کو ایک ہی محور پر مرتکز یا منظم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ طلبہ اپنی زندگی اور اردگرد کی دنیا کو چھوٹی چھوٹی غیر مربوط جزئیات کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ وہ علم کی وحدت اور زندگی کی یک رنگی اور مرکزیت کے احساس سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ بے عقیدہ تعلیم ایسے افراد پیدا کرتی ہے جو زندگی کے بنیادی، حقیقی، واقعی اور زندہ مسائل پر کوئی عبور نہیں رکھتے۔ عملی زندگی کے بارے میں ان کا علم اس قدر سطحی سارہ جاتا ہے کہ اس کی کوئی ٹھوس افادیت باقی نہیں رہتی۔ قومی نقطہ نظر سے بھی یہ تعلیم مفید نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے ڈاکٹر ایڈیلوٹ نے امریکی تعلیم کے بارے میں کہا ہے:

"مقاصد کے بجائے تکنیک اور ذرائع سے وابستگی ادب، فلسفہ، تاریخ اور مذہب کے مطالعے کو حقیقی آزادی سے محروم کر رہی ہے"

مشہور اہل قلم والٹر لپ نے "اس مضطرب دنیا میں تعلیم کی کیفیت کے موضوع پر ایک تقریر میں کہا تھا:

"اسکول اور کالج دنیا میں ایسے افراد بھیجتے رہے ہیں جو اس معاشرے کے تخلیقی اصولوں کو نہیں سمجھ پاتے جس میں انھیں رہنا ہے۔ اپنی ثقافتی روایت سے محروم نئے تعلیم یافتہ مغربی افراد اپنے ذہن وجذبات میں مغربی تہذیب کے تصورات، اصول اور بنیادوں کا اور اس کی منطق واستدلال کا کوئی احساس وشعور نہیں رکھتے۔ اگر یہی منہج رہی تو موجودہ تعلیم آخر کار مغربی تہذیب کو تباہ کر دے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تباہ کر رہی ہے"

امریکی تعلیم پر راک فیلر کی رپورٹ بھی اسی خامی کی نشان دہی کرتی ہے:

"طلبہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد ومفہوم چاہتے ہیں اگر ان کا زمانہ ان کی ثقافت اور جب ان کے رہنما انھیں کوئی عظیم مفہوم، مقاصد متعین کر لیتے ہیں۔

سر والٹر موبرلے نے اپنی کتاب "یونیورسٹی میں بحران" میں جو برطانیہ کے تعلیمی حالات کے مطالعے پر مشتمل ہے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

"ہم جس الجھن میں گرفتار ہیں وہ یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں زیادہ تر طلبہ تعلیم سے فارغ ہوجاتے ہیں مگر اس کا کوئی موقع نہیں آتا ہے کہ وہ حقیقی اہمیت کے عظیم مسائل پر اپنا ذہن استعمال کریں۔ تعلیمی غیر جانبداری کے زیر اثر وہ موجودہ سیاسی اور سماجی ماحول کے آگے سپر ڈال دینے اور سوچ بچار کی زحمت نہ اُٹھانے کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح وہ لادینیت کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور یہ اس لیے کہ تعلیم کے مختلف اجزا میں منقسم ہونے کی موجودہ صورت حال کی وجہ سے اُنھیں ذمہ دارنہ حیثیت میں مقصد زندگی متعین کرنے کا چیلنج ہی نہیں ملتا۔ ساری تعلیم کے بعد بھی وہ بنیادی طور پر غیر تعلیم یافتہ ہی رہتے ہیں"۔

تعلیم کے پس منظر کے مکمل جائزے کے بعد پروفیسر ہیرلڈ ایچ ٹیٹس لکھتے ہیں "

"تعلیم نے اپنے آپ کو ماضی کے روحانی ورثے سے الگ کرلیا ہے مگر اس کا کوئی مناسب متبادل دینے میں ناکام رہی ہے۔ نتیجۃً پڑھے لکھے افراد بھی ایقان وایمان سے، زندگی کی اقدار کے صحیح احساس سے، اور دنیا کے بارے میں کسی ناقابل شکست ہمہ گیر نقطہ نظر سے عاری ہیں۔

اِن نئے خیالات سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب میں بھی بے عقیدہ اور غیر جانبدارانہ تعلیم کا نظریہ دم توڑ رہا ہے اور مغرب کے اکثر ماہرین تعلیم اور علمائے عمرانیات یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ تہذیب وتمدن کی ترقی اور ثقافت کے تحفظ کی راہ میں یہ نظریہ کس قدر نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

۴۔ تعلیم کے اِسلامی اصول

ا۔ تصور علم:۔

اسلام نے جو تصورِ علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالےٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے۔ جو اس اور عقل وتجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں، مقاصد حیات سے بھی ہے۔ اور اوّل الذکر کو ثانی الذکر کے تابع ہونا چاہیے۔ یہی وہ تصور ہے جس سے ہمارے نظام تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔

Scanned with CamScanner

اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں۔ اور اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے جو علم اور نیکی اور اخلاق حسنہ میں بڑھے ہوئے ہونے کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

ب۔ مقصد تعلیم:۔

تعلیم بجائے خود منزل نہیں، منزل کے حصول کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ حقیقی منزل ان لوگوں کا نظریۂ حیات اور تمدن و ثقافت ہے جن کی خدمت اسے کرنی ہے۔ اے۔ این۔ وایٹ ہیڈ نے یہ کہہ کر زور دیا ہے کہ

"تعلیم کی رُوح یہ ہے کہ وہ مذہبی ہو"

اقبال کا خیال بھی یہی تھا کہ اسلام ہماری زندگی اور تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے اُنھوں نے خواجہ غلام السیدین کو ایک خط میں لکھا تھا:

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو مسلمان کرے۔

بولہب را حیدر کرار کن

اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یُوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لیے سراپا رحمت ہے"

پس تعلیم کا اوّلین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں ان کے مذہب اور نظریۂ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کرے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی کا مفہوم اور مقصد، دنیا میں انسان کی حیثیت، توحید، رسالت، آخرت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات، اخلاقیات کے اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مشن انھیں سمجھایا جائے۔ انھیں بتایا جانا چاہیے کہ وہ کس

Scanned with CamScanner

طرح اعلیٰ مقاصد کے لیے دنیا کی تمام قوتوں کو استعمال کریں۔ تعلیم کو ایسے افراد پیدا کرنے چاہئیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلامی نظریات پر بھرپور یقین کے حامل ہوں۔ اور اسے ان کے اندر ایک ایسا اسلامی نقطہ پیدا کرنا چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا راستہ خود بنا سکیں۔

قرآن حکیم کا فرمان ہے کہ اہل علم حق اور سچائی کے گواہ ہیں۔ وہ تعلیم جس کا مقصد اہل علم پیدا کرنا ہو اسے اولین طور پر اسلام کا علم پیش نظر رکھنا چاہیے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (آل عمران ۱۸)

''خدا خود شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور صاحبانِ علم بھی (اس حقیقت کے) شاہد ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''لوگوں میں سے درجہ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ اہل علم اس وجہ سے کہ اُنھوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو رسولؐ لائے تھے اور اہل جہاد اس وجہ سے کہ اُنھوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلواروں سے جہاد کیا۔''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا مشن ہے جس کے لیے انبیاء مبعوث کیے گئے ہیں۔ ایک ایسا مشن جو صاحبان علم کو مقام نبوت سے قریب تر کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اسلام کے پیغام کی اشاعت و تبلیغ اور ایک عادلانہ اور صحت مند اجتماعی نظام کا قیام ہے۔ قرآن کہتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (جمعه ۲)

وہ (خدا) وہی تو ہے جس نے امیوں میں اُنھی میں سے (محمدؐ) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

Scanned with CamScanner

زکوٰۃ

اِبتدائیہ

دولت کی فراوانی، وسائل پیداوار کی ترقی اور حیرت انگیز معاشی ارتقاء کے باوجود انسانیت آج جس غربت وناداری بیکاری اور بے روزگاری، معاشی لوٹ کھسوٹ اور معاشی ظلم وناانصافی سے دوچار ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اگر فقر وفاقہ کا علاج اور افلاس وناداری کا مداوا محض دولت کی فراوانی اور وسائل پیداوار کی ترقی سے ہوسکتا ہو تو بلاشبہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کسی کو بھی غریب ومفلس اور بھوکا ونگا نہیں ہونا چاہیئے تھا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ معاشی ارتقاء اور وسائل پیداوار کی محیر العقول ترقی کے باوجود ہر جگہ غربت وافلاس کا دور دورہ ہے اور رات کو بھوکے سو رہنے والوں کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ بڑھ رہی ہے۔ یہ فطرت کی ظالمانہ تعزیز بالقدیر کا بہیمانہ کھیل نہیں بلکہ مروجہ معاشی نظام کا حصہ اور لازمی نتیجہ ہے۔

مغرب کے معاشی نظام نے چند چہروں کی رونق تو دوبالا کی ہے لیکن بھوک کی عالمگیر مصیبت کو ختم کرنا کبھی اس کے پیش نظر نہیں رہا، کیونکہ جو نظام معیشت اس سلوگن پر قائم ہو کہ ہر شخص کی دولت صرف اسی کے لیے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے فنا ہو جانا چاہیے اور کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اسی کو ہے جو اس دوڑ میں دوسروں سے آگے نکل جائے وہ نظام غربت وبیکاری کو ختم کرنا تو درکنار اس میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

اس مشکل کا حل اسلام تجویز کرتا ہے کیونکہ اسلام کا معاشی نظام فرد کی کفالت پر مبنی ہے جس کا اہم ترین ستون نظام زکوٰۃ ہے ـــــــ زکوٰۃ ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس کے ذریعہ غریب ونادار کو فوری طور پر اوّل محرومی کا الاونس مل جاتا ہے جس سے اس کی بنیادی ضرورتوں کی فوراً کفالت ہو جاتی ہے یعنی پیٹ کی بھوک مٹ جاتی ہے اور عریانی ختم ہو جاتی ہے پھر اس کو مستقل طور پر زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنا دیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

کئی صدیوں سے اسلام کا نظام زکوٰۃ کسی مسلم سوسائٹی میں بھی رائج نہیں اور اس کی اصل وجہ ان معاشروں کا اسلامی قیادت وسیادت سے محروم ہونا ہے۔ نظام زکوٰۃ اسلام کا جزو ہے۔ اور چونکہ کہیں بھی اسلامی نظام اپنی حقیقی شکل میں موجود نہیں لہذا اس کے اجزا میں سے بھی کسی جزو کو اپنی نعمتیں بکھیرنے کا موقع میسر نہیں۔ تاہم مسلمان جہاں موجود ہیں ان کی معتدبہ تعداد نے ادائیگی فرض کی خاطر زکوٰۃ نکالتے رہنا اپنا شعار بنایا ہے۔ اس طرح ادائیگی زکوٰۃ کا تواتر اور تسلسل دیکھنے کو ملتا ہے اور یہ اسلام کی خوبی ہے کہ ناسازگار ماحول میں بھی اپنے آئیڈیل پیش کرتا رہتا ہے اور مثالی کردار صورت گری کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہے اور اپنی بنیادی خصوصیات کی جھلک انتہائی نامساعد حالات میں بھی پیش کرتا رہتا ہے۔ تاہم افراد انسانی کی کوئی تعداد بھی کسی عمل کو رضا کارانہ اپنا کر اس نظام کا بدل نہیں پیش کر سکتی جو ایک کل کا جزو بھی ہو اور خود اپنی جگہ ہمہ گیر وہمہ جہت بھی ہو اور انسانی سوسائٹی کے معاشی رُخ کو حسب خواہش موڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

احکام ومسائل

معنی ومفہوم:

(۱) زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت اور نُمو کے ہیں۔ انہی دونوں صفتوں کے لحاظ سے ''زکوٰۃ'' اس مالی عبادت کو کہتے ہیں جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر اس لیے فرض کی گئی ہے کہ خدا اور بندوں کا حق ادا کر کے اس کا مال پاک ہو جائے اور اس کا نفس، نیز وہ سوسائٹی جس میں وہ رہتا ہے بُخل، خودغرضی، بغض وغیرہ جذبات رویہ سے پاک ہو اور اس میں محبت واحسان فراخ دلی اور باہمی تعاون ومُواساۃ کے اوصاف نشوونما پائیں۔

فقہاء نے زکوٰۃ کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ مثلاً:

حَقٌّ يَجِبُ فِي الْمَالِ (المغنی لابن قدامہ ج ۲، ص ۴۳۳) ''وہ ایک حق ہے جو مال میں واجب ہوتا ہے''

اِعْطَاءُ جُزْءٍ مِّنَ النِّصَابِ اِلٰی فَقِیْرٍ وَنَحْوِہٖ خَیْرُ مُتَّصِفٍ بِمَانِعٍ شَرْعِیٍّ یَمْنَعُ مِنَ الصَّرْفِ اِلَیْہِ (نیل الاوطار، ج ۴، ص ۹۸)

''نصاب میں سے ایک جزء کسی محتاج اور اس کے مانند شخص کو دینا جو کسی ایسے مانع شرعی سے متصف نہ ہو جس کی بناء پر اسے زکوٰۃ نہ دی جا سکے''

تَمْلِیْکُ مَالٍ مَخْصُوْصٍ لِمُسْتَحِقِّہٖ بِشَرَائِطَ مَخْصُوْصَۃٍ

''ایک مخصوص مال کو مخصوص شرائط کے مطابق اس کے مستحق کی ملک میں دینا''

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ ج ا۔ ص۔ ۵۹۰)

زکوٰۃ کن پر لازم ہے:

(۲) عاقل و بالغ مسلمان مرد و زن اگر صاحب نصاب ہوں تو اُن پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی ادائیگی کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ نابالغ بچوں کے بارے میں اختلاف ہے ایک مسلک یہ ہے کہ یتیم کے سن رشد (بلوغت) کو پہنچے پر اس کا ولی (سرپرست) اس کا مال اس کے حوالے کرتے وقت اس کو زکوٰۃ کی تفصیل بتا دے پھر یہ اس کا اپنا کام کہ اپنے ایام یتیمی کی پوری زکوٰۃ ادا کرے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کا مال اگر کسی کاروبار میں لگایا گیا ہے اور نفع دے رہا ہے تو اس کا ولی اس کی زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کو ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے۔ ہمارے نزدیک یہی چوتھا مسلک زیادہ صحیح ہے حدیث میں آیا ہے:

اَلَا مَنْ وَّلِیَ یَتِیْمًا لَّہٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ لَہٗ فِیْہِ وَلَا یَتْرُکْہُ فَتَاْکُلُہُ الصَّدَقَۃُ۔ (ترمذی، دارقطنی، بیہقی کتاب الاموال لابی عبید)

''خبردار جو شخص کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جو مال رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اس کے مال سے کوئی کاروبار کرے اور اسے یونہی نہ رکھ چھوڑے کہ اس کا سارا مال زکوٰۃ کھا جائے''

اسی کے ہم معنی ایک حدیث امام شافعیؒ نے مُرسَلاً اور ایک دوسری حدیث طَبرانی اور ابوعُبید نے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کی تائید صحابہ و تابعین کے متعدد آثار و اقوال سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت علی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مجاہد عطاء، حسن بن یزید، مالک بن اَنس اور زُہری سے منقول ہیں۔

Scanned with CamScanner

ناتر العقل لوگوں کے معاملے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس میں بھی ہمارے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا مجنون کے ولی کے ذمے ہے۔ امام مالک اور ابن شہاب زہریؒ نے اسی رائے کی تصریح کی ہے۔

قیدی پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جو کوئی اس کے پیچھے اس کے کاروبار یا اس کے مال کا متولی ہو وہ اس کی طرف سے جہاں اس کے دوسرے واجبات ادا کریگا زکوٰۃ بھی ادا کرے گا۔ ابن قدامہ اس کے متعلق اپنی کتاب المغنی میں لکھتے ہیں:

''اگر مال کا مالک قید ہو جائے تو زکوٰۃ اس پر سے ساقط نہ ہوگی خواہ قید اس کے اور اس کے مال کے درمیان حائل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ کیوں کہ اپنے مال میں اس کا تصرف قانوناً نافذ ہوتا ہے۔ اس کی بیع اس کا ہبہ اور اس کا مختار نامہ سب کچھ قانوناً جائز ہے'' (ج ۲۔ ص ۴۴۶)

مسافر پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مسافر ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ کا مستحق ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اگر وہ صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کا فرض اس پر سے ساقط ہو جائے گا۔ اُس کا سفر اُسے زکوٰۃ کا مستحق بناتا ہے اور اُس کا مال دار ہونا اُس پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے۔

پاکستان کا مسلمان باشندہ اگر کسی غیر ملک میں مقیم ہو تو اس پر زکوٰۃ اُس صورت میں عائد ہوگی۔ جب کہ اس کا مال یا جائداد یا کاروبار پاکستان میں بقدر نصاب موجود ہو، کسی مسلمان مملکت کا مسلمان باشندہ اگر پاکستان میں مقیم ہو اور یہاں اس کے پاس مال یا جائداد یا کاروبار بقدر نصاب ہو تو اس سے بھی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ رہا وہ مسلمان جو کسی غیر مسلم حکومت کی رعایا ہو اور پاکستان میں رہتا ہو تو اسے ادائے زکوٰۃ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، الا یہ کہ وہ خود بخوشی دینا چاہے اس لیے کہ اس کی آئینی حیثیت اُس حکومت کی غیر مسلم رعایا سے مختلف نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الانفال)۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لیے کسی عمر کی قید نہیں ہے۔ جب تک کوئی یتیم سن رشد (بلوغت) کو نہ پہنچے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے اور جب وہ سن رشد کو پہنچ کر اپنے

Scanned with CamScanner

زیور کی زکوٰۃ:

(۴) زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کئی مسلک ہیں۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسے عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ یہ انس بن مالک سعید بن مسیب، قتادہ اور شعبی کا قول ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ زیور پر زکوٰۃ دے دینا کافی ہے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ جو زیور عورت ہر وقت پہنے رہتی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جو زیادہ تر رکھا رہتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی آخری قول صحیح ہے۔ اوّل تو جن احادیث مس چاندی سونے پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم بیان ہوا ہے ان کے الفاظ عام ہیں۔ مثلاً یہ کہ

فِی رِقَةٍ رُبُعُ الْعُشْرِ وَلَيْسَ فِیْ مَادُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَة — چاندی میں اڑھائی فی صدی زکوٰۃ ہے اور پانچ اُوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

پھر متعدد احادیث و آثار میں تصریح ہے کہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کی ایک لڑکی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا نہیں اس پر آپؐ نے فرمایا:

اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنَ النَّارِ — کیا تجھے پسند ہے کہ خدا قیامت کے روز تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟

نیز مؤطا ابوداؤد اور دار قطنی میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: مَا اَدَّيْتِ زَكٰوتَه فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (جس زیور کی زکوٰۃ تو نے ادا کر دی وہ کنز نہیں ہے) ابن حزم نے محلیٰ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو فرمان بھیجا تھا اس میں یہ ہدایت بھی تھی مُرْ نِسَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ يُزَكِّيْنَ عَنْ حُلِيِّهِنَّ (مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ ادا کریں)۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ زیور کا کیا حکم ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: اِذَا بَلَغَ مِائَتَيْنِ فَفِيْهِ الزَّكٰوةُ (جب وہ دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے) اسی مضمون کے اقوال صحابہ میں سے عباس، عمرو بن عاص اور حضرت عائشہ سے، تابعین میں سے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، ابن سیرین اور زہری سے اور ائمہ فقہ میں سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے منقول ہیں۔

Scanned with CamScanner

کمپنیوں کی زکوٰۃ:

کمپنیوں کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ جو حصہ دار قدر نصاب سے کم حصے رکھتے ہوں، یا جو ایک سال سے کم مدت تک اپنے حصے کے مالک رہے ہوں ان کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام حصے داروں کی اکٹھی زکوٰۃ کمپنیوں سے وصول کی جانی چاہیئے اس میں انتظامی سہولت بھی ہے اور اس طریقے میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہے جو اُصول شرع میں سے کسی اصل کے خلاف پڑتی ہو۔ ہماری یہ رائے امام مالک امام شافعی اور متعدد دوسرے فقہاء کے مسلک کے مطابق ہے (بدایۃ المجتہد، ج ا ص ۲۲۵)

آلات کی زکوٰۃ:

کارخانوں کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی صرف اُس مال کی قیمت پر جو آخر سال میں اُن کے پاس خام یا مصنوع شکل میں، اور اُس نقد روپے پر جو ان کے خزانے میں موجود ہو عائد ہوگی۔ اسی طرح تاجروں کے فرنیچر، اسٹیشنری، دوکان یا مکان اور اس نوعیت کی دوسری اشیاء پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی[1] صرف اُس قابل فروخت مال کی قیمت پر جو ان کی دکان میں اور اس نقد روپے پر جو ان کے خزانے میں ختم سال پر موجود ہو عائد ہوگی، اس معاملے میں اُصول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیدائش سے کام لے رہا ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں حدیث میں آتا ہے کہ: لَيْسَ فِي الْإِبِلِ الْعَوَامِلِ صَدَقَة (کتاب الاموال) یعنی کوئی شخص جن اونٹوں سے آبپاشی کا کام لیتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ اُن کی زکوٰۃ اُس زرعی پیداوار سے وصول کر لی جاتی ہے جو ان کے عمل سے حاصل کی گئی ہو۔ اسی پر قیاس کر کے فقہاء نے بالاتفاق دوسرے تمام آلات پیدائش کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

(۷) کمپنیوں کے جو حصے قابل فروخت ہوں سال کے دوران میں فروخت کر دیے جائیں تو اس سال نہ ان کے بائع پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ مشتری پر کیوں کہ دونوں میں سے کسی کی ملکیت پر بھی سال نہ گزرے گا۔

Scanned with CamScanner

کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے:

شریعت میں جو اشیاء محل زکوٰۃ ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

زرعی پیداوار فصل کٹنے کے بعد، سونا چاندی جب کہ وہ سال کے آغاز واختتام پر بقدر نصاب یا اس سے زائد موجود ہوں، اسی طرح نقد روپیہ جو سونے چاندی کا قائم مقام ہو، مویشی جب کہ وہ افزائش نسل کے لیے پالے گئے ہوں اور سال کے آغاز واختتام پر بقدر نصاب ہوں، معادن ورکاز۔

الف: نقدی، سونے، چاندی، اور زیورات پر زکوٰۃ ہے۔ زیور کی زکوٰۃ میں صرف اس سونے یا چاندی کے وزن کا اعتبار کیا جائے گا جو ان میں موجود ہو۔ جواہر خواہ زیور میں جڑے ہوئے ہوں یا کسی اور صورت میں ہوں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں البتہ اگر کوئی شخص جواہر کی تجارت کرتا ہو تو اس پر وہی زکوٰۃ عائد ہوگی جو دوسرے اموال تجارت پر ہے یعنی ان کی قیمت کا ۲/۱/۲ فی صدی ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں لکھا ہے ''موتی، یاقوت اور دوسرے تمام جواہر پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے جبکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے (ج ا۔ص ۵۹۵)

ب: دھات کے سکے اور کاغذی سکے محل زکوٰۃ ہیں کیوں کہ ان کی قیمت ان کی دھات یا ان کے کاغذ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس قوت خرید کی بنا پر ہے جو قانوناً ان کے اندر پیدا کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ سونے اور چاندی کے قائمقام ہیں۔ ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں ہے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اوراق مالیہ (کاغزی نوٹ) پر زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ تعامل میں سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں اور ان کو بلا تکلف سونے اور چاندی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے ائمہ میں سے تین، ابوحنیفہؒ مالک اور شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہے (ج ا۔ص ۶۰۵)

ج: بینکوں میں جو امانتیں رکھی ہوں وہ محل زکوٰۃ ہیں۔ دوسرے ادارے اگر رجسٹرڈ ہوں اور حکومت ان کے حساب کتاب کی پڑتال کر سکتی ہو۔ تو ان میں رکھی ہوئی امانتوں کا وہی حکم ہے جو بینک کی امانتوں کا ہے اور اگر وہ رجسٹرڈ نہ ہوں نہ ان کے حساب کتاب کی پڑتال کرنا حکومت کے لیے ممکن ہو، اُن میں رکھی ہوئی امانتیں اموال باطنہ کی تعریف میں آتی ہیں، جن کی زکوٰۃ وصول کرنا حکومت کا کام نہیں ہے ان کے مالک خود ان کی زکوٰۃ نکالنے کے ذمہ دار ہیں۔

B612

Scanned with CamScanner

لیے ہوئے قرضے اگر ضرورت کے لیے لیے گئے ہوں اور خرچ ہو جائیں تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اگر قرض لینے والا سال بھر تک ان کو رکھے رہے اور وہ بقدر نصاب ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے اور اگر ان کو تجارت میں لگا لیا جائے تو وہ قرض لینے والے کا تجارتی سرمایہ شمار ہوں گے اور اس کی تجارتی زکوٰۃ وصول کرتے وقت اس کے ایسے قرضوں کو مستثنیٰ نہ کیا جائے گا۔

دیے ہوئے قرضے اگر بآسانی واپس مل سکتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک ان کی زکوٰۃ سال بہ سال ادا کرنی ہوگی۔ یہ حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ، جابر بن عبداللہ، طاوس، ابراہیم نخعی اور حسن بصری کا مسلک ہے۔ بعض کے نزدیک جب وہ قرضے وصول ہوں تو تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ یہ حضرت علیؓ، ابوثور، سُفیان ثوری، اور حنفیہ کا قول ہے۔ اور اگر ان قرضوں کی واپسی مشتبہ ہو تو اس بارے میں ہمارے نزدیک قول راجح یہ ہے کہ جب رقم واپس ملے اُس وقت صرف ایک سال کی زکوٰۃ نکالی جائے۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن، لیث، اوزاعی اور امام مالک کا قول ہے اور اسمیں بیت المال اور صاحب مال، دونوں کے مفاد کی منصفانہ رعایت پائی جاتی ہے۔

مرہونہ جائداد کی زکوٰۃ اس شخص سے وصول کی جائے گی جس کے قبضے میں وہ ہو۔ مثلاً مرہونہ (گروی) زمین اگر مرتہن کے قبضے میں ہے تو اس کا عشر اس سے وصول کیا جائے گا۔

متنازع فیہ جائداد کی زکوٰۃ دورانِ نزاع میں اُس شخص سے لی جائے گی جس کے قبضے میں وہ ہو۔ اور رفیصلہ ہونے کے بعد اس کی زکوٰۃ کا ذمہ دار وہ ہوگا جس کے حق میں فیصلہ ہو۔

قابل ارجاع نالش جائداد کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا وہ بالفعل جس شخص کے قبضے میں ہو اور جب تک رہے اس کی زکوٰۃ اسی کے ذمے رہے گی کیوں کہ جو شخص کسی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کے واجبات بھی اسی کو ادا کرنے ہوں گے

(د) عطیہ اگر بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو جس شخص کو وہ دیا گیا ہو اس سے زکوٰۃ لی جائے گی۔

(ہ) بیمہ اور پراویڈنٹ فنڈ اگر جبری ہوں تو ان کا حکم وہی ہے جو مشکل الحصول قرضوں اور امانتوں کا ہے یعنی جب ان کی رقم واپس مل جائے تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی اور اگر وہ اختیاری ہوں تو ہمارے نزدیک ہر سال کے خاتمے پر جتنی رقم ایک شخص کے حساب میں بیمہ کمپنی یا

Scanned with CamScanner

پراویڈنٹ فنڈ میں جمع ہو اس پر زکوٰۃ وصول کی جانی چاہیے کیوں کہ اگر چہ یہ رقم اب اُس کے لیے قبل از وقت قابل وصول نہیں ہے لیکن اس نے اپنے مال کو باختیار خود اس حالت میں ڈالا ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ زکوٰۃ سے بچ جائے۔

(و) شیر خانہ (ڈیری فارم) کے مویشی عوامل کی تعریف میں آتے ہیں اس لیے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ شیر خانے کی مصنوعات پر اُسی طریقے سے زکوٰۃ عائد ہوگی جس طرح دوسرے کارخانوں پر۔

زرعی پیداوار میں جو چیزیں ذخیرہ کر کے رکھنے کے قابل ہوں ان پر عشر یعنی ۱۰ فیصد یا نصف عشر ۲۰ فیصد ہے اور یہی حکم ان پھلوں کا بھی ہے جو ذخیرہ کر کے رکھے جاسکتے ہوں جیسے خشک میوہ اور چھوہارے۔ جو زراعت بارانی زمینوں میں ہو اس پر عشر واجب ہوگا، اور جس میں مصنوعی ذرائع سے آب پاشی کی جائے اس پر نصف عشر، سبزی، ترکاری، پھول اور پھل جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاسکتے ان پر عشر تو نہیں ہے لیکن اگر زمیندار انھیں مارکٹ میں فروخت کرتا ہے تو اس پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی جبکہ وہ بقدر نصاب ہو۔ اس معاملے میں نصاب وہی ہوگا جو تجارت میں معتبر ہے یعنی اس کاروبار کا تجارتی سرمایہ سال کے آغاز و اختتام پر دو سو درہم یا اس سے زائد ہو۔

(ر) معدنیات کے بارے میں ہمارے نزدیک سب سے بہتر مسلک حنابلہ کا ہے یعنی وہ تمام چیزیں جو زمین سے نکلتی ہیں خواہ وہ دھات کی قسم سے ہوں، یا مائعات (پٹرول، پارہ وغیرہ) کی قسم سے ان سب پر ڈھائی فی صدی زکوٰۃ ہے جب کہ ان کی قیمت بقدر نصاب ہو اور جب کہ وہ پرائیویٹ ملکیت میں ہوں اس مسلک پر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی حکومت میں عمل بھی تھا (المغنی لابن قدامہ ، ج ۲ ص ۵۴۸۱)

(ح) برآمد شدہ دفینہ (رکاز) کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ فی الرکاز الخمس یعنی اس میں خمس (۲۰ فی صدی) لیا جائے گا۔

(ط) آثار قدیمہ یعنی وہ قیمتی نوادر جو کسی نے بطور یادگار اپنے گھر میں رکھ چھوڑے ہوں ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے البتہ اگر وہ بغرض تجارت ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ ہے۔

(ی) شہد کے بارے میں یہ بات مختلف فیہ ہے کہ آیا بجائے خود شہد کی ایک مقدار میں سے

Scanned with CamScanner

زکوٰۃ وصول کی جانی چاہیے یا اس کی تجارت پر وہی زکوٰۃ عائد کی جائے جو تجارتی مال پر ہے۔ حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ شہد بجائے خود محل زکوٰۃ ہے اور یہ مسلک احمد، اسحاق بن راہویہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن عمرؓ اور ابن عباس کا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول اس کے حق میں ہے۔ بخلاف اس کے امام مالک اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ شہد بجائے خود محل زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام شافعی کا بھی مشہور قول یہی ہے۔ اور امام بخاری کہتے ہیں کہ لیس فی زکوٰۃ العسل شیء یصح "شہد کی زکوٰۃ کے معاملے میں کوئی حدیث صحیح موجود نہیں ہے" ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ شہد کی تجارت پر زکوٰۃ عائد کی جائے۔

(ک) مچھلی بجائے خود محل زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ اس کی تجارت پر وہی زکوٰۃ واجب ہے جو اموال تجارت پر عائد ہوتی ہے۔

موتی، عنبر اور دوسری وہ چیزیں جو سمندر سے نکلتی ہیں۔ وہ ہمارے نزدیک معدنیات کے حکم میں ہیں اور ان پر وہی زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے جو معدنیات میں بیان ہو چکی ہے۔ یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور اسی پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کا عمل رہا ہے (کتاب الاموال، ص ۳۴۹۔ کتاب المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۵۸۴)

(ل) پٹرول کا حکم اوپر معاون کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔

(م) برآمد پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ درآمد پر جو محصول حضرت عمرؓ کے زمانے میں لیا جاتا تھا اس کی حیثیت زکوٰۃ کی نہ تھی بلکہ وہ صرف جواب تھا اس محصول کا جو ہمسایہ حکومتیں اسلامی مملکت کے مال کی درآمد پر اپنے ملک میں وصول کرتی تھیں۔

(۹) خلافت راشدہ میں نبی ﷺ کے عہد کے اموال زکوٰۃ کی فہرست میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا گیا جو اپنی ایک مستقل بالذات نوعیت رکھتا ہو بلکہ ایسی چیزوں کا اضافہ کیا گیا تھا جو حضور کے مقرر کیے ہوئے اموال زکوٰۃ میں سے کسی پر قیاس کی جا سکتی تھیں مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھینس کو گائے پر قیاس کیا اور اس پر وہی زکوٰۃ عائد کی جو گائے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مقرر کی تھی۔

(۱۰) ہر قسم کے سکوں پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جو سکے رائج نہیں ہیں یا جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لیے ہیں ان میں اگر چاندی سونا موجود ہو تو ان پر چاندی یا سونے کی اس مقدار کے لحاظ سے زکوٰۃ عائد ہوگی جو ان کے اندر پائی جاتی ہو۔

Scanned with CamScanner

دوسرے ملکوں کے سکے اگر ہمارے ملک کے سکوں سے بآسانی تبدیل کیے جاسکتے ہوں تو ان کا حکم نقدی کا ہے اور اگر تبدیل نہ کیے جاسکتے ہوں تو ان پر صرف اس صورت میں زکوٰۃ عائد ہوگی جب کہ ان کے اندر بقدر نصاب سونا یا چاندی موجود ہو۔

(۱۱) مال ظاہر وہ ہے جس کا معائنہ اور تشخیص عاملین حکومت کر سکتے ہوں اور مال باطن وہ جو عاملین حکومت کے لیے قابل معائنہ و تشخیص نہ ہو۔ بینکوں میں جمع شدہ رقوم مال ظاہر کی تعریف میں آتی ہیں۔

(۱۲) مال نامی وہ ہے جو یا تو طبعاً افزائش کے قابل ہو، یا جسے سعی و عمل سے بڑھایا جاسکے۔ اس تعریف کی رو سے زکوٰۃ اُنہی اموال پر عائد کی گئی ہے جو نامی ہیں اور جمع شدہ روپے پر اس لیے عائد کی جاتی ہے کہ اس کے مالک نے اسے نمو سے روک رکھا ہے۔

(۱۳) جو اشیاء کرایہ پر دی جاتی ہیں ان کی مالیت رائج الوقت قواعد کے مطابق ان کے منافع سے تشخیص کی جائے اور اس پر ڈھائی فی صدی زکوٰۃ لی جائے۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ جو اونٹ کرائے پر چلائے جاتے ہیں ان پر مدینے میں زکوٰۃ لی جاتی تھی (کتاب الاموال، ص ۳۷۶)

(۱۴) مویشی (اونٹ، گائے، بھینس، بکری، اور جو ان کے مانند ہوں اگر افزائش نسل کی غرض سے پالے جائیں اور بقدر نصاب یا اس سے زائد ہوں تو ان پر وہ زکوٰۃ عائد ہوگی جو شریعت میں مواشی کے لیے مقرر ہے (اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت النبی مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی، ج ۵، ص ۱۲۵ تا ۱۶۷) اور اگر وہ تجارت کے لیے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ ہے یعنی اگر ان کی قیمت بقدرِ نصاب (دوسو درہم) یا اس سے زائد ہو تو ان پر ڈھائی فیصدی زکوٰۃ لی جائے گی اور اگر ان سے زراعت یا حمل و نقل کا کام لیا جاتا ہو، یا کسی شخص نے ان کو اپنے ذاتی استعمال کے لیے پالا ہو، تو ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ مرغیاں اور دوسرے جانور اگر شوقیہ پالے جائیں تو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ ہے اور اگر انڈوں کی فروخت کے لیے مرغی خانہ قائم کیا جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو شیر خانہ اور دوسرے کارخانوں کا ہے۔ مویشی کی زکوٰۃ نقدی کی صورت میں بھی وصول کی جاسکتی ہے اور خود مویشی بھی زکوٰۃ میں لیے جاسکتے ہیں۔ اِس پر حضرت علی کا فتویٰ ہے (کتاب الاموال ص ۳۶۸)

Scanned with CamScanner

زکوٰۃ کی شرح:

جن مختلف سامانوں پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی شرح حسب ذیل ہے:

زرعی پیداوار	:	۱۰ فی صدی جبکہ وہ بارانی زمینوں سے حاصل ہو۔
	:	۵ فی صدی جبکہ وہ مصنوعی آبپاشی سے حاصل ہو
نقدی اور سونا چاندی	:	۲/۱/۲ فی صدی
اموالِ تجارت	:	۲/۱/۲
مواشی	:	جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس کا تفصیلی نقشہ سیرۃ النبی جلد پنجم میں ملاحظہ ہو
معاون	:	۲/۱/۲ فی صدی
رِکاز	:	۲۰
کارخانوں کے اموال	:	۲/۲/۱ فی صدی

(۱۶) خلفائے راشدین کے زمانے میں نبی ﷺ کے مقرر کیے ہوئے نصاب اور شرح زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی نہ اب اس کی کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی آپ ؐ کی مقرر کردہ مقادیر میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ جو چیز نبی ﷺ کی طرف سے مقرر کی گئی ہو اس کے برحق ہونے پر تو ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے، اس کا ضمیر اسے سچے دل سے قبول کرتا ہے۔ اور جس شخص کے دل میں بھی ایمان ہو اس سے گریز کرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا بلکہ وہ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اسے ادا کرے گا۔ لیکن جو چیز حضور کے سوا کسی اور نے مقرر کی ہو خواہ وہ ایک نمائندہ اسمبلی ہی کیوں نہ ہو، مسلمان اس کے برحق ہونے پر سچے دل سے ایمان نہیں لا سکتے اور اس میں گریز کی وہ سب راہیں اختیار کرنے پر مائل ہو سکتے ہیں جس طرح عام ٹیکسوں کے بارے میں بکثرت لوگوں کا رویہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کو جو درحقیقت ایک عبادت اور رکن اسلام ہے اس خطرے میں نہ ڈالنا چاہیے کہ مسلمان اس کو خلوص اور ایمان داری کے ساتھ ادا نہ کر سکیں۔

(۱۷) نقدی، چاندی، اموال تجارت، معاون، رِکاز اور کارخانوں کے اموال میں نصاب دو سو درہم ہے مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق یہ ہے کہ دو سو درہم کی چاندی ہمارے ملک کے معیاری وزن کے حساب سے ۳۶ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی ہوتی ہے مگر مشہور ۲/۱/۵۲ تولہ چاندی ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۰ طلائی مثقال کے متعلق مولانا عبدالحیٔ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ۵ تولہ ۲ ماشہ ۴ رتی سونے کے برابر ہیں اور عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ۲ رار ۷ تولے کے برابر۔

(۱۹) معادن، رکاز اور زرعی پیداوار کے سوا تمام صورتوں میں وجوب زکوٰۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ قدر نصاب یا اُس سے زائد مال پر ایک سال گزر جائے۔ معادن اور رکاز کے لیے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے اور زرعی پیداوار پر فصل کٹنے کے ساتھ ہی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، خواہ سال میں دو یا زائد فصلیں کاٹی جائیں قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ "اللہ کا حق فصل کاٹنے کے دن ادا کرو"

چونکہ آج کل تمام مالی معاملات اور حساب کتاب شمسی سال کے لحاظ سے ہو رہے ہیں اس لیے زکوٰۃ کے معاملہ میں بھی شمسی سال ہی استعمال کیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ قمری سال کا وجوب اس معاملے میں کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ تحصیل زکوٰۃ کے لیے کوئی خاص مہینہ شرعاً مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ حکومت جس تاریخ سے زکوٰۃ کی تحصیل کا انتظام شروع کرے اسی سے سال کا آغاز ٹھیرایا جا سکتا ہے۔

مصارف زکوٰۃ:

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کیے گئے ہیں: فقراء، مساکین، عاملین زکوٰۃ، مؤلفۃ القلوب، غارمین فی سبیل اللہ اور ابن السبیل۔

فقراء:

فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی بسر اوقات کے لیے دوسروں کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لیے عام ہے خواہ وہ بڑھاپے یا کسی جسمانی نقص کی وجہ سے مستقل طور پر محتاج عانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سر دست مدد کے محتاج ہوں اور کچھ سہارا پا کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں جیسے یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ جو کسی وقتی حادثے کے شکار ہو گئے ہیں۔

مساکین:

مسکین کی تشریح حدیث میں یہ آئی ہے کہ

اَلَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ لَهٗ فَیَتَصَدَّقُ عَلَیْهِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ

"جو نہ اپنی حاجت بھر مال پاتا ہے نہ پہچانا جاتا ہے کہ لوگ اس کی مدد کریں، نہ کھڑے ہو کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے"

Scanned with CamScanner

اس لحاظ سے مسکین اُس شریف آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی روزی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہو مگر اپنی ضرورت کے قابل روزی نہ پا سکتا ہو مگر مانگتا نہیں پھر سکتا۔

عاملین:

عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل، تقسیم اور اس کے حساب کتاب کا انتظام کرتے ہوں۔ وہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں وہ اس مد سے اپنے کام کی تنخواہ پائیں گے۔

مؤلفۃ القلوب:

مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد کی مخالفت سے روکنا، یا اسکے مفاد کی خدمت پر آمادہ کرنا مقصود ہو اور اس غرض کے لیے مال دے کر ان کی تالیف قلب کرنے کے سوا چارہ نہ ہو۔ یہ لوگ کافر بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے مسلمان بھی جن کا اسلام انھیں اسلامی مفاد کی خدمت پر ابھارنے کے لیے کافی نہ۔ ہو نیز یہ لوگ اسلامی مملکت کے باشندے بھی ہو سکتے ہیں اور کسی بیرونی مملکت کے بھی۔ اس قسم کے لوگ اگر صاحب نصاب بھی ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اسلامی حکومت اس کی ضرورت محسوس کرے۔ ہمیں اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو چکا ہے حضرت عمرؓ نے اس بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ ان کے اپنے زمانے کے لیے تھی نہ کہ آئندہ تمام زمانوں کے لیے۔

رقاب:

رقاب سے مراد غلام ہیں۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ دینا اس مد میں شامل ہے۔ اگر کسی زمانے میں غلام موجود نہ ہوں تو یہ مد ساقط رہے گی۔ غارمین سے مراد ایسے قرض دار لوگ ہیں جو اگر اپنا پورا قرض ادا کریں تو ان کے پاس بقدر نصاب مال باقی نہ رہے۔ ایسے لوگ کمانے والے بھی ہو سکتے ہیں اور بے روزگار بھی۔

Scanned with CamScanner

معاشی نظام

جزئی اختلافات سے قطع نظر کر کے ہم دنیا کے معاشی نظاموں کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک وہ جو سرمایہ داری نظام (Capital System) کہلاتا ہے دوسرا وہ جسے اشتراکیت (Communism) کہتے ہیں۔اور تیسرا وہ جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔

ا۔نظام سرمایہ داری

نظام سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ صاف اور سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے۔اس کی کمائی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔اس کو پورا اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔جس قدر وسائل ثروت اس کے قابو میں آئیں ان کو روک رکھے اور اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر ان کو صرف کرنے سے انکار کر دے۔یہ نظریہ اس خودغرضی سے شروع ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔اور آخر کار اس انتہائی خودغرضی تک پہنچ جاتا ہے جو انسان کی ان تمام صفات کو دبا دیتی ہے۔جن کا وجود انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کیلئے ضروری ہے۔

۲۔نظام اشتراکی

سرمایہ داری کے عین مقابل ایک دوسرا نظام معیشت ہے جس کو اشتراکی نظام کہتے ہیں۔اس کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ تمام وسائل دولت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں۔اس لیے افراد کو فرداً فرداً ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشا ان میں تصرف کرنے اور ان کے منافع سے تنہا فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔افراد کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کے لیے وہ انجام دیں گے۔سوسائٹی ان کیلئے ضروریات زندگی فراہم کرے گی اور وہ اس کے مفاد میں کام کریں گے۔یہ نظریہ ایک دوسرے ڈھنگ پر معیشت کی تنظیم کرتا ہے جو بنیادی طور پر سرمایہ داری سے مختلف ہے۔اس تنظیم میں سرے سے شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں۔پھر کہاں اس کی گنجائش کہ کوئی روپیہ جمع کرے اور بطور خود کاروبار میں لگائے۔

Scanned with CamScanner

۳۔نظام اسلامی

اسلام ان دو متضاد معاشی نظاموں کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے۔جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی و فطری حقوق بھی دیئے جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ دولت کا توازن بھی نہ بگڑنے دیا جائے۔

ایک طرف وہ فرد کو شخصی ملکیت کا حق اور اپنے مال میں تصرف کرنے کے اختیارات دیتا ہے۔دوسری طرف وہ ان سب حقوق و اختیارات پر باطن کی راہ سے کچھ ایسی اخلاقی پابندیاں اور ظاہر کی راہ سے کچھ ایسی قانونی پابندیاں عائد کرتا ہے۔جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل دولت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہو سکے۔بلکہ ثروت اور اس کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں اور گردش ایسی ہو کہ سوسائٹی کے ہر فرد کو اس کا متناسب حصہ مل سکے۔اس مقصد کے لیے اس نے معیشت کی تنظیم ایک اور ڈھنگ پر کی ہے۔جو اپنی روح، اپنے اصول اور اپنے طریق کار کے اعتبار سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے مختلف ہے۔اسلام کا معاشی نظریہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ معاش میں ہر فرد کا شخصی مفاد اور تمام افراد کا اجتماعی مفاد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتا ہے۔اس لیے دونوں میں مزاحمت کے بجائے موافقت اور معاونت ہونی چاہیے۔اس نظریے پر جس نظم معیشت کی بنیاد رکھی گئی ہے اس کا مقصد نہ تو یہ ہے کہ چند افراد کروڑ پتی بن جائیں اور باقی تمام لوگ فاقے کریں اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی کروڑ پتی نہ بن سکے۔اور جبراً سب کو فطری تفاوت کے باوجود ایک حال میں کر دیا جائے۔ان دونوں انتہاؤں کے بین اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ سوسائٹی کے تمام افراد کی معاشی ضروریات پوری ہوں۔

دورِ حاضر کا اضطراب:

اس وقت پوری دنیا میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔اس اضطراب کی تہ میں جو قوتیں کارفرما ہیں اور جن کی وجہ سے بے چینی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے ان میں معاشی اسباب کو بڑا دخل ہے۔اس لیے نہیں کہ انسانی زندگی میں فیصلہ کن حیثیت معاشی عوامل کو حاصل ہے، بلکہ اس لیے کہ ان کو وہ مقام دے دیا گیا ہے جو فطرت کے دروبست میں انھیں حاصل نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ بگاڑ

Scanned with CamScanner

کے اسباب کی تلاش اور اُس کے مداوا کی کوشش صورت حال کو اور خراب اور پیچیدہ کرتی جارہی ہیں۔ پہلے انسان کا خیال تھا کہ اصل مسئلہ وسائل معاش کی قلت کا ہے اور اگر پیداوار کو بڑھا دیا جائے تو تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ لیکن جب پیداوار سو بلکہ کچھ چیزوں میں ہزار گنی تک زیادہ ہوگئی تب بھی بگاڑ کی کیفیت وہی رہی۔ ''پیدا آوری معاشیات'' (Economics of Production) سے توجہ معاشیات تقسیم (Economics of Distribution) کی طرف مبذول ہوئی۔ لیکن سو سال تک دولت کی تقسیم نو (Redistribution of Wealth) کے تجربہ کے بعد بھی ہم وہیں ہیں جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ مسائل قلت (Scarcity) نے معاشیات خورد (Micro Economics) کو جنم دیا تھا۔ لیکن تجارتی چکر (Trade Cycle) اور کساد بازاری کی تباہ کاریوں نے اس نظام فکر کی چولیں ہلا دیں۔ ان نئے حالات نے معاشیات کلاں (Macro Economics) کے لیے راہ ہموار کی۔ لیکن اب جو نئی افراط دولت (Affluence) رونما ہوئی ہے اور وہ اپنے جلو میں جو نئے مسائل لائی ہے اس کی بناء پر خوش حالی خود دردِ سر بنتی جارہی ہے اور معاشیات کا طالب علم ایک بار پھر ایک نئی معاشیات کی تلاش میں ہے۔ ایک گھن چکر (Vicious Curcle) ہے جس میں انسان گردش کر رہا ہے اور ہر دور اور ہر سطح پر اس کا حال یہ ہے کہ

ڈور کو سُلجھا رہا ہے، اور سرا ملتا نہیں!

ہم آج کے انسان کو اس امر پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے بنیادی نقطۂ نظر کا از سر نو جائزہ لے۔ اصل خرابی سفر کے دوران میں پیش آنے والی دشواریوں کی بناء پر نہیں۔ سفر کے نقطہ آغاز اور پھر سمت سفر میں ہے۔ یہ علمی جستجو اور عملی کاوش جس مقام سے شروع ہوتی ہے اسی جگہ غلطی واقع ہو رہی ہے اور وہی نظر ثانی کی محتاج ہے۔ انسان نے اپنی حقیقت اور اپنے اصل مقام کو نظر انداز کر کے اپنے سارے افکار کے در و دیوار اُٹھائے ہیں، اور چونکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے اس لیے

تا ثریا می رود دیوار کج

Scanned with CamScanner

معاش کا اسلامی تصور

(الف) انسانی آزادی

اوّلین چیز جو معیشت کے معاملہ میں اسلام کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی آزادی کو محفوظ رکھا جائے اور صرف اس حد تک اس پر پابندی عائد کی جائے جس حد تک نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہے۔ اسلام انسان کی آزادی کو بہت بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ یہ جواب دہی مشترک نہیں ہے، بلکہ ہر شخص فرداً فرداً ذمہ دار ہے اور اس کو فرداً فرداً اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اس جوابدہی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اپنی شخصیت کا ارتقاء خود اپنے میلانات کے مطابق اپنی صلاحیتوں کے مطابق اور اپنے انتخاب کے مطابق کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے۔ اس لیے افراد کے لیے اخلاقی اور سیاسی آزادی حاصل نہ ہو تو اُن کی اخلاقی اور سیاسی آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی اپنی معاش کے معاملے میں کسی دوسرے شخص یا ادارے یا حکومت کا دست نگر ہو وہ اگر اپنی کوئی آزادانہ رائے رکھتا بھی ہو تو وہ اپنی اُس رائے پر عمل کرنے میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسلام معاشی نظام کے لیے ہم کو ایسے اُصول دیتا ہے جن سے فرد کے لیے اپنی روزی کمانے کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ آزادی موجود رہے اور اُس پر صرف اُتنی پابندی عائد کی جائے جتنی حقیقت میں انسانی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔

اخلاقی اقدار اور معاش کا باہمی تعلق

سوال یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی و اخلاقی نظام کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ جواب یہ ہے کہ بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا جڑ سے تنے سے اور تنے کا شاخوں کا اور شاخوں سے پتوں کا ہوتا ہے، ایک ہی نظام ہے جو خدا کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے اخلاقی نظام بنتا ہے۔ اسی سے عبادات کا نظام ہے۔ جس کو آپ مذہبی نظام سے تعبیر

Scanned with CamScanner

کرتے ہیں، اسی سے معاشرتی نظام نکلتا ہے۔ اسی سے معاشی نظام نکلتا ہے۔ اسی سے سیاسی نظام نکلتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اگر آپ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں آپ کو لامحالہ وہی اخلاقی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے سکھائے ہیں اور وہی سیاسی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے آپ کو دیے ہیں۔ اسی کے اصولوں پر آپ کو اپنی معاشرت کی تشکیل کرنی ہوگی اور اسی کے اُصولوں پر اپنی معیشت کا سارا کاروبار چلانا ہوگا۔ جس عقیدے کی بنا پر آپ نماز پڑھتے ہیں اسی عقیدے کی بناء پر آپ کو تجارت کرنی پڑے گی۔ جس دین کا ضابطہ آپ کے روزے اور حج کو منضبط کرتا ہے اسی دین کے ضابطے کی پابندی آپ کو اپنی عدالت میں بھی کرنی ہوگی اور اپنی منڈی میں بھی۔ اسلام میں مذہبی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام اور معاشرتی نظام الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی نظام کے مختلف شعبے اور اجزا ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے سے طاقت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اگر توحید ورسالت اور آخرت کا عقیدہ موجود نہ ہو اور اس سے پیدا ہونے والے اخلاق موجود نہ ہوں تو اسلام کا معاشی نظام کبھی قائم نہیں ہوسکتا اور قائم کیا بھی جائے تو چل نہیں سکتا۔ اسی طرح اسلام کا سیاسی نظام بھی نہ قائم ہوسکتا ہے نہ چل سکتا ہے اگر خدا اور رسولؐ اور آخرت پر عقیدہ اور قرآن پر ایمان نہ ہو، کیونکہ اسلام جو سیاسی نظام دیتا ہے اس کی بنیاد ہی اس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ خدا حاکم اعلیٰ ہے، رسول اُس کا نمائندہ ہے، قرآن اس کا واجب الاطاعت فرمان ہے اور ہم کو آخر کار اپنے اعمال کی جواب دہی خدا کے سامنے کرنی ہے۔ پس یہ خیال کرنا ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام میں کوئی سیاسی یا معاشی نظام مذہبی اور اخلاقی نظام سے الگ اور بے تعلق بھی ہوسکتا ہے۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہو اور جان کر اسے مانتا ہو وہ کبھی اس بات کا تصور تک نہیں کرسکتا کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی سیاست اور معیشت، یا اس کی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے مذہب سے جدا ہوسکتا ہے، یا سیاست ومعیشت اور عدالت وقانون میں اسلام سے آزاد ہوکر، یا اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام اختیار کرکے صرف ''مذہبی'' اُمور میں اس کی پیروی کرنے کا نام بھی اسلامی زندگی ہے۔

Scanned with CamScanner

معاشرہ قائم کیا کہ جس کا تصور افلاطون نے اپنی خیالی اومثالی ریاست UTOPIA میں بھی نہیں پیش کیا ہوگا۔

گذشتہ ابواب میں ہم نے اسلامی نظام حیات کے مختلف نمایاں اور بنیادی شعبہ جات کا دوسرے نظام ہائے زندگی کے ساتھ موازنہ کیا ہے اور دلیل و برھان سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ہی وہ نظام حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے انسان کی مکمل اور صحیح رہنمائی کرتا ہے

اسلام کا معاشرتی نظام تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دے کر وحدت و مساوات انسانی کا عالمگیر درس دیتا ہے۔ پھر توحید اور ایک خدا کے خالق ہونے کا نظریہ انسانوں کے درمیان پیدا شدہ مصنوعی اور غیر فطری حد بندیوں کو ختم کر کے انہیں ایک عالمگیر برادری سے منسلک کر دیتا ہے۔ رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کے پیدا کردہ تمام تعصبات کو حرف غلط کی طرح مٹا کر پوری انسانیت کو ایک خاندان کی حیثیت عطا کرتا ہے۔

تصوّرِ مملکت

ا۔ اِسلام کا سیاسی نظریہ

اسلام کے متعلق اس قسم کے فقرے آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ یہ ایک ''جمہوری نظام ہے'' ''اسلام آمریت کا حامی ہے'' ''اسلام سوشلزم کا علمبردار ہے'' وغیرہ۔ پچھلی صدی کے آخری دور سے اس قسم کے فقروں کا بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے مگر جو لوگ ان کو زبان سے نکالتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک فی ہزار بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے اس دین کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہو کہ اسلام کا نظام حیات کیا ہے اور اس میں جمہوریت کس حیثیت سے ہے اور کس نوعیت کی ہے یا عدل اجتماعی اور سیاسی استحکام کے لیے اس نے کیا اصول وضع کیے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ تو اسلامی نظام جماعت کی چند ظاہری شکلوں کو دیکھ کر اس پر جمہوریت یا آمریت یا سوشلزم کا نام چسپاں کر دیتے ہیں اور

Scanned with CamScanner

اکثر ایسے ہیں جن کی ذہنیت کچھ اس طور پر بنی ہے کہ دنیا میں اور خصوصاً عالمی قیادت پر فائز طاقتوں اور اپنے ممالک کے برسرِ اقتدار لوگوں میں جو چیز مقبول عام ہو اس کو کسی نہ کسی طرح اسلام میں موجود ثابت کر دینا ان کے نزدیک اس مذہب کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ شاید وہ اسلام کو اس یتیم بچے کی طرح سمجھتے ہیں جو ہلاکت سے بس اس طرح بچ سکتا ہے کہ کسی بااثر شخص کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جائے یا پھر غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ ہماری عزت محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے قائم نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اسی طرح قائم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں دنیا کے کسی چلتے ہوئے مسلک کے اصولوں کی جھلک دکھا دیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دنیا میں اشتراکیت کا غلغلہ بلند ہوا تو مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ اشتراکیت تو محض اسلام ہی کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ اور جب ڈکٹیٹر شپ کا آوازہ اٹھا تو کچھ دوسرے لوگوں نے اطاعت امیر اطاعت امیر کی صدائیں بلند کرنی شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ یہاں سارا نظام جماعت ڈکٹیٹر شپ ہی پر قائم ہے۔ غرض اسلام کا نظریہ سیاسی اس زمانہ میں ایک چیستان، ایک چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گیا ہے جس میں سے ہر وہ چیز نکال کر دکھا دی جاتی ہے جس کا بازار میں چلن ہو۔ ضرورت ہے کہ باقاعدہ علمی طریقہ سے اس امر کی تحقیق کی جائے کہ فی الواقع اسلام کا سیاسی نظریہ ہے کیا؟ اس طرح نہ صرف ان پراگندہ خیالیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں اور نہ صرف ان لوگوں کا منہ بند ہو جائے گا جنہوں نے حال میں علی الاعلان یہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا تھا کہ اسلام سرے سے کوئی سیاسی و تمدنی نظام تجویز ہی نہیں کرتا، بلکہ درحقیقت تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کے سامنے ایک ایسی روشنی نمودار ہو جائے گی جس کی وہ سخت حاجت مند ہے۔ اگرچہ اپنی اس حاجت مندی کا شعور نہیں رکھتی۔

۲۔ مملکت کے اوّلین اُصول

انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور، اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اسی پر اسلام کے نظریہ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (یوسف : ۴۰)

''حکم سوائے اللہ کے اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے''۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران : ۱۵۴)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ. (النحل : ۱۱۶)

''اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ ۴۴)

جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔

پس اسلامی اسٹیٹ کی ابتدائی خصوصیات جو قرآن کی مذکورہ بالا تصریحات سے نکلتی ہیں یہ ہیں۔

۱۔ کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اعلیٰ (Sovereign) صرف خدا ہے، اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لیے کوئی قانون بنا سکتے ہیں، اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہر حال اس قانون پر قائم ہوگا، جو خدا کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے۔ اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔

Scanned with CamScanner

اسلامی ریاست کی نوعیت

ایک شخص ایک نظریاتی خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریاتی طرز کی لادینی جمہوریت (Secular Democracy) نہیں ہے اس لیے کہ لادینی نقطہ نظر سے جمہوریت تو عام طور پر اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو، انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور صرف انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے۔ یہاں ایک بالاتر نظریاتی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا اس کے لیے زیادہ صحیح نام الٰہی حکومت ہے جس کو انگریزی میں (Theocracy) کہتے ہیں مگر یورپ جس تھیا کریسی سے واقف ہے اسلامی تھیا کریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اسی تھیا کریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ (Priest-Class) خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا، بخلاف اس کے اسلام جس تھیا کریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرزِ حکومت کو (Theo-Demoeracy) یعنی الٰہی جمہوری حکومت کے نام سے موسوم کروں گا کیوں کہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ (Paramountcy) کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت (Limited Popular Soverignty) عطا کی گئی ہے۔ اس میں انتظامیہ

Scanned with CamScanner

(Executive) اور مقننہ (Legislature) مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ اس لحاظ سے یہ ڈیموکریسی ہے مگر جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے جہاں خدا اور اس کے رسول کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو کسی مقننہ کو، کسی مجتہد اور عالم دین کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں یک سر مو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لحاظ سے یہ تھیا کریسی ہے۔

مغربی جمہوریت:

یہ مغرب کی نام نہاد لادینی جمہوریت جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں عمومی حاکمیت (Popalar Sovereignty) ہوتی ہے اس کا ذرا تجزیہ کر کے دیکھیں جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اس کو نافذ کرتے ہیں انہیں اپنی حاکمیت چند مخصوص لوگوں کے سپرد کرنی پڑتی ہے تاکہ ان کی طرف سے وہ قانون بنائیں اور اسے نافذ کریں۔ اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ سوسائٹی اخلاق اور امانت و دیانت کی نعمتوں سے محروم ہے اور ان تصورات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیتی اس لیے اس انتخاب میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت اپنے علم اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے ان کے الٰہ بن جاتے ہیں عوام کے فائدے لے لیے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کے لیے قوانین بناتے ہیں اور اسی طاقت سے جو عوام نے ان کو دی ہے ان قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں۔ یہی مصیبت امریکہ میں ہے یہی انگلستان میں ہے اور یہی ان سب ممالک میں ہے جن کو جمہوریت کی جنت ہونے کا دعویٰ ہے۔

Scanned with CamScanner

اِسلامی ریاست کی خصوصیات

(الف) ایجابی اور ہمہ گیر ریاست

قرآن جس ریاست کا تخیل پیش کر رہا ہے، اس کا مقصد سلبی (Negative) نہیں بلکہ وہ ایک ایجابی (Positive) مقصد اپنے سامنے رکھتی ہے۔ اس کا مدعا صرف یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے، اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل اور اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔

اس نوعیت کی ریاست ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتی، یہ ہمہ گیر ریاست ہے اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔

(ب) جماعتی اور اصولی ریاست

دوسری بات جو کہ دستور اور اس کے مقصد اور اس کی اصلاحی نوعیت پر غور کرنے سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی ریاست کو صرف وہ لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں، جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی سپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے بھی واقف ہوں۔ اسلام نے اس باب میں کوئی جغرافی، لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور، اپنے مقصد اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے جو شخص بھی اُسے قبول کر لے، خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک، کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، وہ اُس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس ریاست کو چلانے کے لیے بنائی گئی ہے اور جو اسے قبول نہ کرے اسے ریاست کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ریاست کے حدود میں ذمی (Protected Citizen) کی حیثیت سے رہ سکتا ہے۔ اس کے لیے اسلام کے قانون میں معین حقوق اور مراعات موجود ہیں، اس کی جان و مال اور عزت کی پوری حفاظت کی جائے گی، لیکن بہر حال اس کو حکومت میں شریک کی حیثیت نہ دی جائے گی کیونکہ یہ اصولی ریاست ہے جس کے نظم و نسق کو وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں۔

Scanned with CamScanner

طرزِ حکومت

اسلامی طرزِ حکومت درج ذیل امتیازی خصوصیات پر مبنی ہوتا ہے جو اسے ہر دوسرے طرزِ حکومت سے متمیز کرتی ہیں:

(۱) قانون خداوندی کی بالاتری

اسلامی ریاست کا اوّلین بنیادی قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور اہل ایمان کی حکومت دراصل "خلافت" ہے جسے مطلق العنانی کے ساتھ کام کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اُس کو لازماً اُس قانونِ خداوندی کے تحت رہ کر ہی کام چاہیے جس کا ماخذ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے قرآن میں اس قاعدے کو جن آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے خاص طور پر آیات ذیل اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں:

النساء: ۹۵۔۶۴۔۶۵۔۸۰۔۱۰۵۔ المائدہ: ۴۴۔۴۵۔۴۷۔ الاعراف: ۳
یوسف: ۴۰ النور: ۵۴۔۵۵ الاحزاب: ۳۶ الحشر: ۷

نبی ﷺ نے بھی اپنے متعدد ارشادات میں اس اصل الاصول کو پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

علیکم بکتاب اللّٰہ اَحِلُّوا حلالہ وحَرِّموا حرامہ۔ (۱)

"تم پر لازم ہے کتاب اللہ کی پیروی، جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال قرار دو اور جس چیز کو اس نے حرام کیا اسے حرام کرو"

۲۔ عدل بَیْنَ النَّاس

دوسرا قاعدہ جس پر اس ریاست کی بنیاد رکھی گئی ہے، یہ ہے کہ قرآن وسنت کا دیا ہوا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور اس کو مملکت کے ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ کسی کے لیے بھی اس میں امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرماتا ہے کہ

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ (الشوریٰ: ۱۵)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں"

Scanned with CamScanner

نبی ﷺ خود اس قاعدے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

انما اهلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف، والذي نفس محمد بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذالك لقطعت يدها۔ [1]	تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر محمد کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

۳۔ مساوات بین المسلمین

اسی قاعدے کی فرع یہ تیسرا قاعدہ ہے جو اس ریاست کے مسلمات میں سے ہے کہ تمام مسلمانوں کے حقوق بلالحاظ رنگ ونسل وزبان ووطن بالکل برابر ہیں۔ کسی فرد، گروہ، طبقے یا نسل وقوم کو اس ریاست کے حدود میں نہ امتیازی حقوق حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کی حیثیت کسی دوسرے کے مقابلے میں فروتر قرار پا سکتی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰)	''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں''
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحُجُرات: ۱۳)	''لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''

۴۔ حکومت کی ذمہ داری وجواب دہی

چوتھا اہم قاعدہ جس پر یہ ریاست قائم ہوتی ہے، یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال، خدا اور مسلمانوں کی امانت ہیں جنہیں خداترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر، یا نفسانی اغراض کے لیے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور جن لوگوں کے سپرد یہ امانت ہو وہ اس کے لیے جواب دہ ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] بخاری، کتاب الحدود ابواب نمبر ۱۱۔۱۲۔

مرد وزن کا اختلاط نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے اجتماع کے لیے ایک خصوصی دن مقرر فرما دیا اور یہ بدھ کا دن تھا۔ اس بارے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مسجد نبوی میں عورتوں کے داخلے کے لیے دروازہ بھی الگ تھا۔ مسجد نبوی کا یہ دروازہ اب تک "باب النساء" کے نام سے موسوم ہے۔ امہات المومنین کے علاوہ صحابیات کو بھی علم دین سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ ان کے ذوق وشوق کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم کی خدمت میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی باتیں مردوں نے خوب حاصل کر لی ہیں (اور ہم محروم رہی جاتی ہیں) لہٰذا اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر فرمائیں جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ان معلومات میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں ہمیں بہرہ مند کریں۔ یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا "اچھا فلاں فلاں روز فلاں مقام پر تم جمع ہو جانا۔" چنانچہ مقررہ جگہ اور دن پر صحابیات جمع ہو گئیں۔ آنحضرت وہاں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علوم میں سے بہت کچھ پہنچایا۔

شاگرد و استاد کے باہمی تعلق کی نوعیّت :-

اس دور میں شاگرد و استاد کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ حضور اکرم معلمِ اعلیٰ تھے۔ اکابر صحابہ تعلیم و تربیت کے فریضہ کی انجام دہی میں ان کے معاون تھے، معلّمین شفیق تھے، رحیم تھے۔ شاگرد مؤدّب تھے فرمانبردار تھے۔ استادوں کو حضور کی نصیحت تھی۔ "علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو"۔ معلم شفیق سختی کرنے والے استاد سے بہتر ہے نیز انہیں تاکید کی گئی تھی کہ "لوگ تمہارے پاس دور دراز گوشوں سے دین کا فہم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھا سلوک کرنا۔ بلاشبہ آنحضرت کی درسگاہ سے فیض یافتہ معلّمین اپنے مخاطبین کی ذہنی سطح اور افتادِ طبع کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے۔ "لوگو! میں ناغے دے کر وعظ و تلقین کرتا ہوں۔ جیسا کہ نبی کریمؐ ناغے دے کر وعظ فرماتے تھے۔ اور آپ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔"

مبلغین اور معلمین کو آنحضورؐ نے ہدایت فرما دی تھی کہ لوگوں کے مزاج اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کے انہیں تعلیم دینا۔

Scanned with CamScanner

کلموا الناس علی قدر عقولھم — لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات چیت کرو۔

نظام تعلیم کے فیض یافتگان

حضرت مسیحؑ کے قول کے مطابق "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" اس نظام تعلیم کی اثر آفرینی اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لیے درس گاہ نبوت کے فیض یافتہ افراد پر نظر ڈالیے۔

ان میں حضرت سلمان فارسیؓ، اور ابوذر غفاریؓ جیسے زاہد اور خرقہ پوش تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور علی مرتضیٰؓ جیسے عالم اور فقیہہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص اور خالد بن ولید جیسے فاتح اور مجاہد تھے۔ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے دنیا کے جہاں بان اور ملکوں کے فرمانروا تھے۔ یہاں ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم تھے اور مسجد نبوی ایک جامع اور عمومی درسگاہ تھی۔ جہاں ذوق، مناسب طبع اور استعداد کے لحاظ سے سب لوگوں کو تعلیم مل رہی تھی۔

معلّم کے فرائض اور اس کی صلاحیتیں

اسلام نے دنیا میں پہلی مرتبہ علم کی بنیاد پر ایک جامع اور ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ بہت قلیل عرصہ میں دنیا کے وسیع علاقے کو نورِ علم سے منور کر دیا۔ زندگی کے تمام شعبوں اور معاشرے کے تمام اداروں کو اپنے عقیدہ ونظریہ کی بنیادوں پر استوار کر کے ایک منفرد اور عالمگیر تہذیب وتمدن کا قصر تعمیر کیا۔ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب اور جدید وقدیم اجتماعی نظاموں سے بڑھ کر حصول علم پر زور دیا ہے یہ انسانوں کا حق بھی ہے اور فرض بھی اس میں نہ رنگ ونسل کی تفریق ہے، نہ طبقات وجنس کی، سرور کونین ﷺ نے اعلان فرمایا:

الناس رجلان عالم ومتعلّم ولاخیر فیما سواھما۔(۱) — "انسانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں" عالم اور متعلم" ان کے علاوہ جو ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں"

تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے جو رسمی اور غیر رسمی طور پر جاری رہتا ہے۔ زندگی بھر انسان معلم بھی رہتا ہے اور متعلم بھی رہتا ہے۔ اور متعلم بھی معاشرے سے بہت سی چیزیں سیکھتا اور بہت سی چیزیں

---

۱ کنز العمال ص ۱۳۴

لوگوں کو سکھاتا ہے، تہذیب وتمدن کے ارتقاء کا راز اسی میں ہے کہ یہ عمل بھرپور طریقے سے جاری رہے ارشاد نبویؐ ہے۔

یاایھاالناس انماالعلم بالتعلیم والتفقہ ومن یُرد اللہ بہ خیراًیفقھہ فی الدین وانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (۱)

اے لوگو! بے شک علم بار بار سکھانے سے حاصل ہوتا ہے اور سمجھ سوچ بچار سے آتی ہے اللہ تعالیٰ جس کے لئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔

معاشرے کی تعمیر وترقی اور اصلاح وتغیر میں معلم مرکزی کردار ادا کرتا ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کو علم سکھاتا ہے، اور علم ہی ہر چیز اور بھلائی کا سرچشمہ ہوتا ہے لہذا اس کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔

من تعلم باباًمن العلم یعلّم الناس أعطِی ثواب سبعین صدّیقا۔(۲)

"جس نے علم میں سے کوئی باب اس لئے سیکھا تاکہ لوگوں کو سکھائے تو اسے ستر صدیقوں کا ثواب دیا جائے گا"۔

اسلام نے علم کے احیاء وفروغ کی جو بے مثال روایات قائم کی ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مساجد کو بھی عبادت سے بڑھ کر مختلف علوم کو سیکھنے اور سکھانے کے مراکز بنادیا۔ تاریخ کے ہر دور میں ہزاروں معلّمین نے ان میں اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم کئے جہاں رات دن تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہتا ہے ان کی کوششوں نے ہر شعبہ میں حرکت پیدا کی اور فکر ونظر کے جمود کو توڑ کر نئے دور کا آغاز کیا۔ یہ سب ہادی برحق کے اس فرمان کا نتیجہ ہے۔

مَن دخل مسجدناھٰذا لیتعلّم خیراً اویعلّمہ کان کالمجاھدفی سبیل اللہ ومن دخلہ بغیرذلک کان کالناظر الیٰ مَا لیسَ لہٗ(۳)

جو شخص ہماری اس مسجد میں داخل ہوا تاکہ بھلائی سیکھے اور اسے سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور مقصد سے داخل ہوا تو گویا وہ اس دیکھنے والے کی طرح سے ہے جو ایسی چیز کی طرف دیکھتا ہے جو اس کے لئے نہیں ہے

---

(۱) صحیح بخاری، الترغیب والترھیب (۲) الترغیب والترھیب (۱) المستدرک للحاکم

اسلام میں عالم اور معلم دو الگ شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ہر عالم کے لئے لازمی ہے کہ وہ معلم بھی ہو۔ اس کے پاس جو علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے ورنہ وہ کتمانِ علم کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح ہر معلم کے لئے لازمی ہے کہ وہ عالم ہو۔ اپنے شعبہ علم میں محنت کر کے خوب مہارت حاصل کرے۔ ورنہ وہ غلط بات پھیلانے کی سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص تحصیل علم اور ترسیل علم دونوں ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا کرتا ہے تو پھر وہ صحیح معنوں میں عالم کہلانے کا حقدار ہے جب وہ علماء کی صف میں شامل ہو جائے گا تو اس کا مقام و مرتبہ اس پیغمبرانہ منصب کی وجہ سے دنیا میں بھی بلند ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اہل دنیا کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کی عزت کریں۔

اکرموا العلماء فانّهم وَرثةُ الأنبياء فمنَ أكرمهم فقد أكرم اللّٰه ورسولَه(۱)	"علماء کی عزت کرو! بے شک وہ انبیاء کرام کے وارث ہیں پس جس نے ان کی عزت کی تو گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی عزت کی"

بات صرف عزت کرنے تک نہیں ختم ہو جاتی بلکہ آگے بڑھ کر اسے اطاعت و اتباع ڈھل جانا چاہئے۔

اتبعوا العلماء فانّهم سُرُجُ الدّنيا ومصابيحُ الأخِرة(۲)	علماء کی اتباع کرو بے شک وہ دنیا کے آفتاب اور آخرت کے چراغ ہیں۔

دنیا میں ان کی اہمیت اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ علم کے ہر شعبے اور زندگی کے ہر میدان میں حق و ہدایت کی روشنی فراہم کرتے ہیں۔ یہ رہنماؤں کے بھی رہنما ہیں کہ سب انہیں کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ اگر یہ منظر سے ہٹ جائیں یا ان کی علمی رہنمائی ختم ہو جائے تو زمانے میں ایسا اندھیرا چھا جائے کہ کسی کو کچھ سجھائی نہ دے اور دوسروں کی رہنمائی کرنے والے بھی خود راہوں میں کھو جائیں نورِ مجسم ﷺ فرماتے ہیں۔

---

(۱) کنز العمال ص ۱۵۳

(۲) حوالہ سابق

انّ مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم یُھدی بھافی ظلمات البرّ والبحر فاذا انطسمت النجوم اوشک ان تضلّ الھداۃ (۱)

''زمین میں علماء کی مثال ستاروں کی طرح ہے جن سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے پس جب ستارے بے نور ہو جائیں تو قریب ہے کہ رہنما بھی بھٹک جائیں''

یہ تو رہی دنیا میں معلموں کی سماجی حیثیت اب رہی آخرت کی لازوال زندگی! اس میں خوش بخت وہی ہونگے جن کی مغفرت ہو جائے اور کربناک عذاب سے بچ جائیں۔

ہادی برحق کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کو اٹھائے گا، پھر علماء کو الگ کر کے فرمائے گا:

یامعشر العلماء انی لم اَضع علمی فیکم لاعذّبکم، اذھبوا فقد غفرت لکم (۲)

''اے گروہ علماء میں نے اپنا علم تم میں اس لئے ودیعت نہیں کیا تھا کہ تمہیں سزا دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا''۔

سچے اور باعمل علماء کا تو یہ عالم ہوگا کہ وہ دوسرے لوگوں اور اپنے لائق و مہذب شاگردوں کی شفاعت بھی کر سکیں گے، حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:

یُبعث العالم والعابد، فُیقال للعابد ادخل الجنۃ، ویقال للعالم اثبت حتّٰی تشفع لِلناس بمااحسنت أدبھم (۳)

''قیامت کے روز عالم اور عابد کو اٹھایا جائے گا، عابد سے کہا جائے گا کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔ پھر عالم سے کہا جائے گا کہ ٹھہر جا! تا کہ تو لوگوں کی شفاعت کرے جیسا کہ تو نے ان کے اخلاق و آداب کو درست کیا''

علماء کا یہ مقام و مرتبہ اس لئے ہے کیونکہ دنیا میں علم کا چرچا انہیں کے دم سے قائم ہے ان کا اٹھ جانا علم کا اٹھ جانا ہے حضرت ابوردا ءؓ سے روایت ہے کہ محمد عربیؐ نے فرمایا:

تعلموا قبل ان یُقبض العلم فان قَبْضَ العلم قَبضُ العلماء وان العالم والمتعلّم فی الاجر سواء۔ (۴)

''علم سیکھو قبل اس سے کہ علم قبض کر لیا جائے پس علم کا قبض ہونا علماء کا اٹھا لیا جانا ہے بے شک علم سکھانے والا اور علم سیکھنے والا اجر میں برابر ہیں''

Scanned with CamScanner

مقام و مرتبہ جتنا بلند ہوتا ہے اور منصب جتنا اہم ہوتا ہے ذمہ داریاں بھی اتنا زیادہ ہوتی ہیں۔ اب ہم معلم کی ذمہ داریوں کا احادیث کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔

معلّم کی ذمہ داریاں

۱۔ مقاصدِ علم کا حصول:

علم ایک با مقصد فریضہ ہے اس سے انسان کائنات کی تخلیق اور خود اپنے مقصد زندگی کا شعور حاصل کرتا ہے ایک مسلمان معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقاصد علم کا ادراک کرے اور طلبہ میں بھی ان کا شعور بیدار کرے۔ اسلام کی طرف سے اور ملک وملت کی طرف سے نظام تعلیم کے جو اہداف مقرر کئے گئے ہیں، ان کے حصول کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کردے کیونکہ نظریہ وعقیدہ پر پختہ ایمان ویقین ہو یا تہذیب وثقافت کی ترسیل، مختلف علوم میں تحقیق وتفتیش ہو یا سیرت وکردار کی تعمیر سب کچھ معلم کی کوشش وکاوش کا مرہونِ منت ہے۔

اسلام نے ایک معلم پر جو سب سے پہلی ذمہ داری ڈالی ہے وہ خالقِ کائنات کی پہچان ہے۔ اس لئے کہ انسان کی اپنی ذات اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی اشیاء اسی کے کرشمۂ قدرت کا شاہکار ہیں۔ ان کی معرفت اس کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ سرچشمۂ علم ہے۔ اس کی پہچان مختلف علوم کا رخ بھی متعین کرتی ہے اور اعمال کا بھی۔ اور انسان کی ہر سرگرمی کو مفید اور نتیجہ خیز بناتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

افضل الاعمال العلم باللّٰہ۔ ان العلم ینفعک معہ قلیل العمل و کثیرہٗ وانّ الجھل لا ینفعک معہ قلیل العمل ولا کثیرہٗ۔ (۱)	"اعمال میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ بلاشبہ علم تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے خواہ اس کے ساتھ تھوڑا عمل ہو یا زیادہ اور بے شک جہالت تمہیں فائدہ نہیں پہنچاتی خواہ اس کے ساتھ تھوڑا عمل ہو یا زیادہ"

پھر اللہ تعالیٰ کو محض جان لینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی رضا حاصل کرنا مقصود ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ طلب علم کی جدوجہد میں اسباب دنیا کی خواہش کی بجائے خدا کی رضا جوئی کی نیت پائی جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

Scanned with CamScanner